ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
۱۷ر اگست ۱۹۹۲ء

☆ اسلامی انقلابی جماعت یعنی حزب اللہ کی خصوصیات
☆ ملک چلانے کے لئے نئے انتظامات ضروری ہوگئے ہیں
☆ بوسنیا کے مسلمانوں پر قیامت گزر رہی ہے لیکن...

۱۴ر اگست... یوم حساب

حسب معمول اس بار بھی ہم ۱۴ر اگست کو جشن منا رہے ہیں۔ کسی کارنامے کی تکمیل یا اعلیٰ تر مقاصد کے حصول پر مسرت کے اظہار میں ہرگز کوئی مضائقہ نہیں کہ اس سے نعمت کی قدر و قیمت کا احساس اجاگر اور اسے قائم و دائم رکھنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ پھر خوشی منانے کے انداز بھی ہر قوم کے خاص اپنے ہوتے ہیں جن میں اس کی تہذیب و ثقافت اور اقدار حیات کی عکاسی پائی جاتی ہے۔ بے خدا اقوام نے "جشن" کو وہ رنگ دے جو خواہشات نفسانی کو بے لگام چھوڑ دینے سے پیدا ہوتے اور من مانی کرنے کے مواقع مہیا کرتے ہیں لیکن ملت بیضا کو یہ مادر پدر آزادی میسر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی آخر الزماںؐ کے ذریعے اسے زندگی گزارنے کا پورا نقشہ فراہم کیا ہے جس میں خوشی اور غم کے اظہار کا قرینہ بھی شامل ہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو جشن آزادی کے نام سے ہم جو ہنگامہ بپا کرتے ہیں اس کا کوئی جواز نہیں، بالخصوص جب اس کا سیاق و سباق یہ ہو کہ ہر سال ہاؤ ہو میں کسی نہ کسی طرح کا اضافہ ہی ہو رہا ہے ہو۔ اس دفعہ یوم آزادی پر پاکستان کے دل لاہور میں تین سیاسی دھڑوں نے الگ الگ جو پر شور جلسے منعقد کرنے کا پروگرام بنایا ہے، وہ اس بدعت کی تازہ ترین توسیع ہے۔ اپنے اپنے جلسوں کو زیادہ سے زیادہ بارونق بنانے کے لئے تینوں ایڑھی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں جن میں سے ایک کی تو بے حد و حساب حکومتی وسائل تک رسائی ہے اور انہیں بے دریغ استعمال کیا جائے گا، دوسرے نے ڈگڈگی بجا کر مجمع کرنے کی ریت ڈالی ہے اور قوم کے تماش بینوں کی کشش کے لئے "لیزر شو" تک کا اہتمام کر ڈالا (اور افسوس کہ یہ اعزاز ملک کی سب سے بڑی دینی سیاسی جماعت کے حصے میں آیا جو کبھی اپنے نظریات کی پاسداری کے اعتبار سے ممتاز تھی) اور تیسرے کے پاس اپنی روایتی ہلڑبازی کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں جس کا غالب عنصر اپنے حالیہ مختصر دور حکومت میں بھی رابطہ عوام و خواص میں کوئی جوہر نہیں دکھا سکا تھا۔

پھر سوچنے کی بات یہ بھی تو ہے کہ ہمارے لئے ۱۴ر اگست کا دن جشن کے لئے موزوں ہے یا اپنے احتساب کے لئے!۔ تحریک آزادی نے قائداعظم علیہ رحمت کی قیادت میں ایک کارنامہ انجام دیا تھا جس کی تکمیل ناخلف جانشینوں نے یوں کی کہ آدھا ملک ہاتھ سے دیا اور قوم کی پیشانی پر تاریخ اسلام کی بدترین مکسری ہزیمت کے داغ کو گویا کلنک کا ٹیکہ بنا کر چھوڑا اور رہا اعلیٰ تر مقاصد کے حصول کا سوال تو یہ حد درجہ بے محل ہے کیونکہ اب تک تو ہم نے اپنے مقاصد کا سنجیدگی و متانت سے تعین بھی نہیں کیا---

تو پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ یوم آزادی یا یوم استقلال جشن کا نہیں حساب کا دن ہے۔ چاہیے تو یہ کہ قوم اپنے گریبان میں جھانک کر یہ دیکھے اور رہنماؤں کا گریبان پکڑ کر ان سے یہ پوچھے کہ آزادی کے حصول سے برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کی غرض و غائت کیا تھی اور یہ کہ اگر اس قافلے نے اپنے لئے کوئی منزل متعین کی تھی تو وہ حاصل ہوئی یا اب نظروں سے ہی اوجھل ہو گئی ہے جس کے بعد قوم دے بے مقصدی کے صحرائے تیہ میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے؟۔ کاش! ہم اس موقع پر اس طرز عمل کا مظاہرہ کر سکیں جسے مصور و مفکر پاکستان نے ان الفاظ میں شعر کا جامہ پہنایا کہ۔

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

فوج سندھ میں ایک آتش فشاں پر بیٹھی ہے

لاہور (پ ر) آئی ایس آئی کے سابق ڈائریکٹر لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) حمید گل نے ہفت روزہ "مون ٹائمز" لاہور کو ایک انٹرویو کے دوران انکشاف کیا ہے کہ سندھ کی تقریباً تمام سیاسی جماعتوں میں "را" کے ایجنٹ موجود ہیں۔ سندھ کے بحران پر قابو پانے کے لئے ضروری تھا کہ اسی کا سیاسی حل دریافت کیا جاتا لیکن اب چونکہ فوجی آپریشن شروع کردیا گیا ہے جس کی وجہ سے میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ فوج سندھ میں ایک "آتش فشاں" پر بیٹھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج بھی سندھ کے سیاسی بحران کا حل یہ ہے کہ فوج سندھ کی تمام سیاسی قوتوں کو اعتماد میں لے کر انہیں "را" کے ایجنٹوں سے آگاہ کرے اور بحران کا سیاسی حل دریافت کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ وہ ملکی سلامتی کی خاطر کسی پابندی کی پرواہ نہیں کریں گے اور اپنے جذبات کا اظہار کریں گے۔ جنرل حمید گل نے ایک سوال کے جواب میں کہا ہے کہ "سندھ کی موجودہ صورت حال بہت پیچیدہ ہو چکی ہے۔ سندھ میں لسانیت، فرقہ واریت اور دیگر سیاسی امور میں گڑبڑ کے پس پردہ بھارت اور دیگر غیر ملکی طاقتوں کا ہاتھ ہے"۔ انہوں نے ایک دوسرے سوال کے جواب میں کہا کہ سندھ میں فوج کو ایک دلدل میں پھنسا دیا گیا ہے۔ فوج کے سامنے کوئی واضح نصب العین یا مقصد نہیں اور اس وقت فوج ایک ایسے آتش فشاں پر کھڑی ہے جس کے نتائج کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ میرے نزدیک فوج کو بے وقت، بلا جواز اور غیر موزوں طور پر سندھ کے معاملات میں ملوث کردیا گیا ہے۔ سندھ کے مسائل کا اصل حل سیاسی ہے فوجی نہیں۔ جنرل حمید گل نے کہا ہے کہ میرے خیال میں ایم کیو ایم کی وقتی طور پر خاموشی ایک عمدہ چال ہے۔ ایم کیو ایم کے لوگ الطاف حسین کے سوا کسی کو لیڈر نہیں مانتے۔ ابھی تک ایم کیو ایم میں سے الطاف حسین جیسا چالاک، پروقار اور سمجھدار کردار سامنے نہیں آیا۔ جنرل حمید گل نے بتایا کہ جس وقت وہ آئی ایس آئی کے سربراہ تھے اس وقت ایم کیو ایم کے دس سے بارہ ہزار کارکن جنگی معاملات میں مکمل طور پر تربیت یافتہ تھے۔ یہ لوگ لاکھوں کی تعداد میں زیر زمین جاچکے ہیں۔ ان کے پاس اسلحہ بھی ہے۔ یہ لوگ کسی وقت بھی فوج کے مقابلہ میں آسکتے ہیں۔ انہوں نے کہا مجھے تو یوں لگتا ہے کہ اس صورت حال کے پیش نظر فوج ایک مخمصے میں گرفتار ہوچکی ہے۔ اگر مثبت اقدامات نہ کئے گئے اور پروگرام میں تبدیلیاں عمل میں نہ لائی گئیں تو فوج کو زیادہ تشویشناک صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اب تک سیاسی قوتوں نے جو کچھ کیا ہے اس سے ایم کیو ایم کی قوت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

اس سوال کے جواب میں کہ "اب آپ یہ تو جانتے ہیں کہ ایم کیو ایم ایک دہشت گرد تنظیم ثابت ہوچکی ہے۔ اس امر کا سراغ تو فوج نے ہی لگایا ہے۔ اگر فوج نہ آتی تو ایم کیو ایم کے دہشت گردوں کا علم کیسے ہوتا؟" جنرل حمید گل نے کہا کہ اس سلسلہ میں ہر شخص کی اپنی رائے ہوسکتی ہے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں اس ضمن میں صرف یہ کہوں گا کہ ایم کیو ایم والوں نے نہایت چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو فوج کا مقابلہ کرنے سے بچا رکھا ہے۔ اس کے ہزاروں نہیں لاکھوں لوگ زیر زمین چلے گئے ہیں۔ یہ سب لوگ متحد ہیں اور ان کا لیڈر الطاف حسین ہے۔ وہ اپنے لیڈر کے اشارے پر سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ جب میں آئی ایس آئی میں تھا تو ان دنوں ایم کیو ایم والے دہشت گرد نہیں کہلواتے تھے لیکن ان کے دس سے بارہ ہزار تک نوجوان فوجی امور میں مکمل مہارت رکھتے۔ اب ان کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔ یہ لوگ وقت آنے پر ہتھیار اٹھاسکتے ہیں جو ان لوگوں نے چھپا رکھے ہیں۔ اگر وہ فوج کے مقابلہ میں ناکام ہوتے ہیں تو "را" کی مدد حاصل کرسکتے ہیں۔ انہوں نے کہا میں زور دے کر کہتا ہوں کہ فوج سندھ کا بحران حل کرنے میں جتنی دیر لگائے گی وہ ملکی سلامتی کے لئے بہتر کام نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ سندھ کی تمام سیاسی پارٹیوں کا کسی نہ کسی طرح "را" کے ساتھ تعلق ہے۔ ان حالات میں فوج کو چاہیے کہ وہ اپنی تیار کردہ چارج شیٹ سے سیاسی جماعتوں کو آگاہ کرتے اور سیاستدانوں کو بتائے کہ وہ حب الوطنی کے جذبہ سے کام لیتے ہوئے دہشت گردوں سے نجات حاصل کریں اور صوبے کو ملک کے دشمنوں اور "را" کے ایجنٹوں سے پاک کریں۔ انہوں نے کہا کہ میں سندھ کے لئے مارشل لاء کے حق میں نہیں ہوں۔ (بشکریہ نوائے وقت ۹ر اگست ۹۲ء)

خط و کتابت کورس

اپنی نوعیت کے دو منفرد خط و کتابت کورسز میں داخلہ جاری ہے

۱۔ قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی پر مبنی کورس جو بذریعہ کیسٹس کرایا جاتا ہے۔

۲۔ عربی گرائمر خط و کتابت کورس جس میں عربی گرائمر جدید خطوط پر پڑھائی جاتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس اور دیگر تفصیلات کے لئے درج ذیل پتہ پر رابطہ کریں

شعبہ خط و کتابت کورس۔ قرآن کالج: اے۔۱۹۱۔ اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور نمبر ۵۴۶۰۰ فون:۔ ۸۳۳۶۳۷-۸

تاخلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لاکہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور

جلد ۱ شمارہ ۲۹-۳۰

۱۷ اگست ۱۹۹۲ء

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
مرکزی دفتر: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

ناشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ -/۳ روپے

سالانہ زرِ تعاون (اندرونِ پاکستان) -/۱۲۰ روپے

زرِ تعاون برائے بیرونِ پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۶ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۲ 〃 〃
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۷ 〃 〃
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۰ 〃 〃

سوسنار کی ' ایک لوہار کی

پہلے یہ بات سرگوشیوں میں کہی گئی ' پھر اخباری بیانات کی سرخیوں میں آنے لگی اور اب اکثر باخبر اہل وطن کے لبوں پر ہے کہ "مسٹر ٹین پرسنٹ" سے تو قوم کی گلوخلاصی ہوگئی لیکن اب "میسرز ناٹنٹی پرسنٹ" سے واسطہ پڑا ہے جن سے نجات کا حصول بھی آسان نہیں کیونکہ یہ گروہ نہایت تجربہ کار گرگھائے باراں دیدہ پر مشتمل ہے اور اس کا طریقہ واردات بھی کم سائنٹیفک نہیں - بایں ہمہ سابق وزیراعظم ' جناب غلام مصطفیٰ جتوئی نے جو گذشتہ عام انتخابات کی نگرانی کا "حق" ادا کرچکے ہیں ' اب موجودہ وزیراعظم جناب نواز شریف کی سیاسی فتوحات کو "سوسنار کی ' ایک لوہار کی" کہہ کہ ابلاغ کا حق ادا کردیا ہے - " ہم سخن فہم ہیں ' غالب کے طرفدار نہیں " اور یہ کہنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ " دیکھیں ' اس سہرے سے کہہ دے کوئی بڑھ کر سہرا"- اور ہم کیا ' داد تو اس پر ایم کیو ایم کے الطاف حسین دیں گے جنہیں ایک لوہار کی کھا کر پیپلزپارٹی کے سناروں کی وہ کھٹ کھٹ یاد آرہی ہوگی جسے وہ نادانی میں ناقابل برداشت سمجھ بیٹھے تھے-

اگست ۱۹۹۰ء میں ہمارے صدر بزرگ نے جو ملک کے سب سے زیادہ گرم و سرد زمانہ چشیدہ بیوروکریٹ بھی ہیں ' جن اسباب و عوامل کی بنا پر وفاقی اور صوبائی حکومتوں اور تمام منتخب ایوانوں کو بیک جنبش قلم برخواست کیا تھا وہ اگست ۱۹۹۲ء کے حالات میں "ایک لوہار کی " کے مقابلے میں واقعی " سو سنار کی" محسوس کئے جارہے ہیں - سیاسی طوائف الملوکی سے لے کر امن و امان کی المناک کیفیت تک قومی زندگی کے ہر گوشے میں موجودہ حکومتوں کی کارگزاری اپنی شاہکاری کا ایک زندہ اشتہار ہی تو ہیں - نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا ' کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا -

ملک کے عام شہریوں کی طرح خود ہمیں کھلنڈرے سیاستدانوں کی پھبتیوں اور فقرے بازیوں سے تفنن طبع کے سوا کوئی مفاد نہیں لیکن ملک و قوم کے ساتھ جو سنگین مذاق روا رکھا جارہا ہے وہ ایک دن رنگ ضرور لگائے گا - کھلونے دے کے قوم کو آخر کب تک بہلایا جاسکتا ہے !- حکمرانوں کی میدان سیاست میں ترکتازیوں کا بھرم کھل چکا ' دین و شریعت سے وابستگی کا پردہ چاک ہوا ' آئی جے آئی کے سقوط کی شکل میں اتحاد و اتفاق کا راز طشت ازبام ہوگیا اور سٹاک مارکیٹ کے تازہ بحران سے اب معیشت کے استحکام کا طلسم بھی ٹوٹ گیا ہے - پھر صورت حال کا سب سے دردناک پہلو یہ ہے کہ ابنائے وطن کو احساس زیاں کی متاع سے محروم کرنے کی بھی منظم مہم سرکاری ذرائع ابلاغ کو سونپ دی گئی ہے - زبردست مارے بھی اور رونے بھی نہ دے - دھوکہ دھڑی کا یہ کاروبار ارباب حکومت کے لئے زیادہ دیر نفع کا سودا نہیں رہے گا لیکن نقصان اس کا یہ ہوگا کہ رعایا بھی سنجیدگی سے کام لینا چھوڑ دے گی اور ظاہر ہے کہ ٹھٹھا مخول قوموں کو زمانے کے سنگین حقائق کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہیں کیا کرتا

کیا اس خیال میں حقیقت کی سفاک تلخی موجود نہیں کہ مذاق ہی مذاق میں بہت بیش قیمت وقت ضائع ہورہا ہے ؟- زمانہ قیامت کی چال چل گیا ہے اور ہمیں اس کا ادراک تک نہیں - ملکوں کے خول چیخ رہے ہیں ' علاقوں کی نئی حدبندیاں سامنے آرہی ہیں ' عمرانیات کی لغت میں قومیت کی تعریف بدل رہی ہے اور محاذ آرائی کے تازہ مورچے کھودے جارہے ہیں لیکن یہاں زعمائے قوم کو صرف ایک فکر ہے ' یہ کہ قوم کی گردن پر سواری کی ہماری باری کب آئے گی - یہ کہ اس پیر تسمہ پا کو کیسے جھٹک کر گرایا جائے جس کی موجودگی میں ہمارا داؤں نہیں لگ سکتا - نہ یہ زعمائے قوم عقل کے ناخن لینے کو تیار ہیں نہ وہ تسمہ پا ملک و قوم کی اس زبوں حالی پر پسیجتا ہے جس کی ذمہ داری سے تاریخ اسے ہرگز بری نہ کرے گی -

ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ مہلت کی رسی اب تک دراز چلی آرہی ہے لیکن تا کجے !- ہمارے لئے سلامتی کا راستہ صرف ایک ہے اور خوش قسمتی سے وہ اب تک کھلا ہوا ہے - اس کے بند ہونے سے پہلے پہلے توبہ کی منادی عام کی جانی چاہیے --- توبۃ النصوح کی منادی- اس کے سوا ملک خداداد کی بقا و سلامتی کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں - ہنسی ہنسی میں ہم رونے کے مقام تک آپہنچے ہیں ' اب انتظار کس بات کا ہے؟-

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الہدیٰ

سورۃ البقرہ
(آیات ۱۱۸۔ ۱۱۹)

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

اور کہتے ہیں وہ لوگ کہ جو علم نہیں رکھتے کیوں نہیں کلام کرتا اللہ ہم سے 'یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی '

(گذشتہ آیات میں اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے بعض اعتراضات اور ان کی وسوسہ اندازیوں کا ذکر تھا ' یہاں مشرکین کے بعض مطالبات و اعتراضات کا تذکرہ ہے کہ ان کا ایک مطالبہ نما اعتراض تو یہ تھا کہ اللہ ہم سے براہ راست ہم کلام کیوں نہیں ہوتا !--- بڑے بڑے سرداران قریش کو چھوڑ کر اللہ نے ہم کلامی کے لئے آخر محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو منتخب کیوں کیا؟--- اور دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ کوئی ایسا حسی معجزہ ہمیں کیوں نہیں دکھایا جاتا جیسا کہ سابقہ رسولوں کی قوموں کے مطالبے پر انہیں دکھایا جاتا تھا! حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے مطالبے پر ایک چٹان سے معجزانہ طور پر زندہ اونٹنی برآمد کردی گئی ' حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا لوگوں کی نگاہوں کے سامنے اژدھا بن کر جادوگروں کے پیش کردہ سانپوں کو نگل گیا ' حضرت مسیح علیہ السلام گارے سے پرندے کی مورت بناتے اور اس میں پھونک مارتے تو لوگوں کے آنکھوں دیکھتے اس میں جان پڑ جاتی اور وہ زندہ پرندے کی مانند محو پرواز ہوجاتا !---- آخر ایسی کوئی نشانی ہمیں کیوں نہیں دکھائی جاتی ؟)

اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں انہوں نے بھی انہی کی سی بات کہی ' ان سب کے دل ایک ہی جیسے ہوگئے ' ہم اچھی طرح واضح کرچکے ہیں نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو یقین کرنے والے ہیں ۔○

(کہ اسی قسم کے مطالبات و اعتراضات پچھلی تمام اقوام اپنے رسولوں سے کرتی آئی ہیں ۔ یہ کوئی نیا اور انوکھا معاملہ نہیں ہے ۔ ایسے مطالبات بالعموم حق کے واضح ہوچکنے کے بعد رسولوں کو زچ کرنے کے لئے کئے جاتے تھے ۔ اس اعتبار سے پچھلی اقوام میں اور مشرکین عرب میں کوئی فرق نہیں ! ---- باقی جو لوگ واقعی حق کو جاننا اور ہدایت حاصل کرنا چاہیں ان کے لئے آفاق و انفس میں جابجا اللہ کی نشانیاں موجود ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کے کلام پر اور قرآن حکیم کی آیات پر اگر یہ لوگ توجہ دیں تو انہیں حق کو پہچاننے میں دیر نہیں لگے گی اور ان کے ہوتے ہوئے مزید کسی نشانی اور حسی معجزے کی ضرورت انہیں محسوس نہ ہوگی !)

بے شک ہم نے تمہیں بھیجا ہے حق کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کر ' اور تم سے پرسش نہیں ہوگی دوزخ میں جانے والوں کے بارے میں ○

(کہ اے نبیؐ ' اللہ نے آپ کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے ' جو لوگ اللہ اور اس کے کلام پر ایمان لے آئیں انہیں آپ اللہ کی رضا اور جنت کی خوشخبری سنا دیجئے اور جو ایمان نہ لائیں انہیں آپ جہنم کے عذاب سے خبردار کردیجئے ' ان لوگوں کے معاملے میں آپ کی ذمہ داری بس اسی قدر ہے ان کے بے سروپا مطالبات کے مطابق حسی معجزے دکھانا ہرگز آپ کی ذمہ داری نہیں ہے ۔ پھر اگر یہ لوگ آپ کی دعوت و تبلیغ اور انذار و تبشیر کے باوجود ایمان نہ لائیں تو اپنے انجام کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے ' اس کا کوئی الزام آپ پر نہیں آئے گا ۔ آپ سے اس بارے میں ہرگز پرسش نہیں ہوگی کہ یہ حق کو جھٹلانے والے جہنم کا ایندھن کیوں بنے !)

آج فوج سیاسی عناصر کو مجتمع کر کے ان میں سمجھوتہ کرا سکتی ہے'
کل کو یہ ممکن نہیں ہوگا

نواز شریف بھی بے نظیر سے مفاہمت کر لیں

پیپلزپارٹی اور فوج کی محاذ آرائی کا خاتمہ

بے نظیر کو ایم آر ڈی نے دھوکا دیا تھا

ملک چلانے کے نئے انتظامات ضروری ہو گئے ہیں

عبدالکریم عابد

سوات اسلامی ذہن اور روایات کا حامل علاقہ ہے لیکن اس علاقہ میں بھی عوام نے بے نظیر صاحبہ کی شاندار پذیرائی کی۔ جنگ کی اطلاع ہے کہ سیدو شریف کا جلسہ سوات کی تاریخ میں اپنی نوعیت کا واحد جلسہ عام تھا جس میں ایک اندازے کے مطابق لاکھوں افراد شریک ہوئے۔ نوائے وقت کی خبر میں کہا گیا ہے کہ سوات میں بے نظیر کا شاندار استقبال کیا گیا اور انہوں نے جلوس کی صورت میں اکیس کلو میٹر کا سفر تین گھنٹے میں طے کیا۔ اس موقع پر شہر کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ روز نامہ پاکستان راوی ہے کہ یہ جلسہ عام انتہائی غیر معمولی نوعیت کا تھا۔ اس کی وجہ سے شہر کا تمام نظام درہم برہم ہوگیا۔ شہر کے کسی ہوٹل میں ٹھہرنے کی جگہ نہیں تھی سڑکوں پر عوام کا ہجوم تھا۔ لوگ درختوں پر چڑھے ہوئے تھے لیکن ٹی وی کا کیمرہ جلسہ گاہ کے لاکھوں آدمیوں کو چھوڑ کر جلسے کے صرف ان حصوں کی کوریج کرتا رہا جہاں لوگوں کی تعداد کم تھی۔

ان اخباری اطلاعات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جب سوات میں بے نظیر صاحبہ کا جلسہ اس قدر کامیاب ہے تو پنجاب اور سندھ میں بے نظیر صاحبہ کے خطاب پر اس سے بھی زیادہ مجمع ہو سکتا ہے لیکن پیپلزپارٹی جلسہ جلوس میں خواہ کسی قدر کامیاب ہو' ایجی ٹیشن برپا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ خود سندھ میں بھی جہاں پارٹی جام صادق کے دور میں اور اس کے بعد مظفر شاہ کے عہد میں ظلم و ستم کا شکار رہی ہے' وہ کچھ بھی نہیں کر سکی حالانکہ ہر سندھی کا دل بے نظیر کے ساتھ ہے۔

۳۰ر جولائی کو محترمہ نے سندھ میں اپنی طاعت کے مظاہرہ کا ایک پروگرام بنایا تھا لیکن آٹھ سو آدمی راتوں رات پکڑ لئے گئے اور عین وقت پر پیپلزپارٹی کو اپنا احتجاجی پروگرام واپس لینا پڑا۔ اس کے متعلق کہا یہ گیا کہ حکومت ہماری صفوں میں اپنے ایجنٹ داخل کر کے تشدد پھیلانا چاہتی تھی لیکن ہم امن کے خواہاں ہیں اس لئے پروگرام منسوخ کر دیا گیا لیکن یہ بات تو پہلے سے معلوم تھی کہ ہر ایجی ٹیشن میں کچھ ایجنٹ ہوتے ہیں' کچھ غیر ذمہ دار افراد بھی ہوتے ہیں تاہم پارٹی منظم ہو اور اس کا عوام پر کنٹرول ہو تو احتجاج مجموعی طور پر تشدد کی سمت نہیں جاتا۔

اصل بات یہ ہے کہ سندھ میں حکمراں دور تہذیب سے نہیں' دور وحشت سے تعلق رکھتے ہیں اور پیپلزپارٹی نے ایسا کیڈر تیار نہیں کیا جو وحشت اور بربریت کو چیلنج کر سکے اس لئے وہ سندھ میں خاموشی سے ہر ظلم سہہ رہی ہے۔ ظالم اپنے آپ کو کامیاب سمجھتے ہیں اور سچ بات تو یہ ہے کہ ۷۷ء کے بعد سے وہ پیپلزپارٹی کو دبا اور کچل کر رکھنے میں مسلسل کامیاب ہیں۔ ضیاء الحق کی آمد کے بعد پیپلزپارٹی کے لیڈروں کا خیال تھا کہ وہ بھی ایجی ٹیشن کی قوت رکھتے ہیں' خود ذوالفقار علی بھٹو اس زعم میں مبتلا تھے اسی لئے انہوں نے فوجی جنرلوں کو چیلنج کیا کہ وہ ان سے اپنا باتھ روم صاف کرائیں گے لیکن انہیں سولی پر لٹکنا پڑا اور پیپلزپارٹی کے حامی صرف سکتہ کی حالت میں رہے' وہ دل کھول کر اپنے رہنما کا ماتم بھی نہیں کر سکے۔

بے نظیر صاحبہ نے یہ صورت حال دیکھ کر اسی وقت سمجھ لیا تھا کہ تحریک چلانے کی باتیں فضول ہیں' دیار مغرب میں پناہ لے کر انتظار کرنا چاہیے لیکن محترمہ نصرت کے ارد گرد ہمیشہ سے

انقلابی حضرات جمع رہے ہیں جو انہیں الٹی سیدھی پٹی پڑھاتے رہے ۔ ان کے صاحبزادگان بھی عقل سے کورے نکلے اور "الذوالفقار" کی نذر ہوگئے لیکن بیگم نصرت پیپلزپارٹی پر حاوی تھیں اور ماں کی وجہ سے بیٹی کو اپنی سیاست چلانے کا موقع نہیں ملتا تھا تاہم آخر کار ماں نے بار مان لی اور بیٹی سب کچھ ہوگئی ۔

بے نظیر صاحبہ نے ضیاء دور میں ہی یہ اشارہ دے دیا تھا کہ وہ ضیاء الحق سے بھی مصالحت کے لئے تیار ہیں ۔ ان کی رائے تھی کہ ۸۵ء کے غیر جماعتی الیکشن میں حصہ لیا جائے مگر ایم آر ڈی کی جماعتوں میں اکثریت آئی ایس آئی کی آلہ کار تھی ۔ انہوں نے اکثریت سے بائیکاٹ کا فیصلہ کرا لیا ۔ محترمہ نے لندن سے اس پر صدمے کا اظہار کیا اور جناب ضیاء الحق کا کہنا یہ تھا کہ میں ساری رات بے چین رہا اور بائیکاٹ کے فیصلے کی اطلاع پر سجدہ شکر ادا کیا ۔ اگر پیپلزپارٹی ۸۵ء کے الیکشن میں حصہ لیتی اور جونیجو کی جگہ جتوئی وزیراعظم ہوسکتے تو یہ ایک طرح سے اقتدار میں پیپلزپارٹی کی شرکت ہوتی مگر یہ سارا منصوبہ ایم آر ڈی کے مہربانوں کی وجہ سے ناکام ہوگیا تاہم فوج کے ساتھ نامہ و پیام کا سلسلہ انہوں نے جاری رکھا ۔

جونیجو دور میں بے نظیر کی وطن واپسی اور لاہور میں فقید المثال جلوس بھی پیپلزپارٹی اور انتظامیہ کے درمیان مفاہمت کا نتیجہ تھا ۔ یہ جلوس بہت بڑا تھا لیکن اس میں کسی کی تکسیر تک نہیں پھوٹی کیونکہ پارٹی اور انتظامیہ میں تعاون تھا ۔ اس تعاون کی بنیاد پر پیپلزپارٹی کو اپنی طاقت کے مظاہرے کا حق دے دیا گیا ۔ جونیجو صاحب نے اس سے اپنی جمہوریت پسندی کا ڈھنڈورہ پیٹا ۔ وہ بے شک جمہوریت پسند ہونگے لیکن بے نظیر کو واپس آنے اور طاقت کا مظاہرہ کرنے کی اجازت کور کمانڈروں سے ملی تھی جس میں شاید یہ مصلحت بھی تھی کہ جونیجو اپنی حیثیت دیکھ لیں کہ وہ کیا شے ہیں اور آپے سے باہر نہ ہوں ۔

پھر امریکہ بھی تھا جو پاکستانی سیاست میں بے نظیر صاحبہ کی آباد کاری کا خواہاں تھا اور ضیاء صاحب خواہ کچھ بھی سوچتے ہوں مگر باقی کور کمانڈر امریکہ کی سفارش کو نظر انداز نہیں کرسکتے تھے ۔ ضیاء صاحب کا ایک ذاتی مسئلہ ہوگیا تھا ' وہ سمجھتے تھے کہ بھٹو کی پھانسی کا گناہ میں نے کیا ہے اور بھٹو خاندان یا پیپلزپارٹی اس گناہ کو معاف نہیں کریں گے اس لئے ان سے مصالحت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا لیکن جنرل ضیاء الحق کے علاوہ باقی کور کمانڈروں کا معاملہ مختلف تھا ۔ جنرل چشتی تک یہ کہتے تھے کہ انہوں نے پھانسی کی مخالفت کی تھی اور اگرچہ چشتی ' فضل حق اور دوسرے لوگ بری الذمہ بھی نہیں کہے جاسکتے مگر اس کے بعد کی قطار میں اسلم بیگ سے آصف نواز تک کئی ایسے جنرل تھے جو پیپلزپارٹی سے نہ مخاصمت رکھتے تھے نہ خوفزدہ تھے ۔ ان کی نفسیات وہ نہیں تھی جو ضیاء الحق اور ان کے رفقاء کی تھی اس لئے فوج اور پیپلزپارٹی دونوں میں خواہش مفاہمت ضیاء الحق کے ہٹتے ہی غالب آگئی اور وہ وزیراعظم بننے میں کامیاب رہیں ۔

حکومت بنانے کے بعد محترمہ کا مسئلہ یہ تھا کہ وہ بین الاقوامی سیاست پر گہری نظر کی حامل تھیں ' مختلف ملکوں میں اونچی سطح پر ان کے سیاسی روابط گہرے تھے ' پولیٹکل سائنس کے فلسفوں اور عصری رجحانات سے اچھی طرح باخبر تھیں لیکن انہیں آدمیوں کی پہچان نہیں تھی ' اس لئے ایک سے بڑھ کر ایک غلط آدمی انہوں نے جمع کیا ۔ نوید ملک نے پہلے ہی انہیں جھانسہ دیا اور آج بھی وہ ان کے جھانسے میں ہیں ۔ غلام مصطفیٰ شاہ کو وزیر تعلیم بنانا ایک احمقانہ کارروائی تھی معلوم نہیں یہ بوجھ اپنے اوپر انہوں نے کیوں لاد لیا ۔

بے نظیر صاحبہ نے صدر اسحاق کے آگے سر خم کیا اور صاحبزادہ یعقوب کو بھی قبول کیا لیکن جنرل سروہی کے مسئلہ پر ٹکرا گئیں اور اب انہوں نے خود کہا ہے کہ اس طرح ٹکرانا ان کی غلطی تھی ۔ عوام میں اس غلطی کا اعتراف خود تنقیدی سے زیادہ فوج کو یہ پیغام دینے کے لئے تھا کہ جو کچھ پہلے ہوگیا وہ اب نہیں ہوگا ۔ اس وقت ایک مسئلہ یہ ہے کہ بے نظیر وزارت عظمیٰ کی بھی خواہاں نہیں ہیں ' ان کی خواہش صرف یہ ہے کہ آصف زرداری کو مقدمات سے اور خود انہیں ریفرنسوں سے چھٹکارا حاصل ہو اور ایک ایسی حکومت آجائے جس کے تحت پیپلزپارٹی اطمینان کا سانس لے سکے اور اپنی سیاسی جدوجہد نئے انتخابات کے لئے جاری رکھ سکے ۔

دوسری طرف جنرل آصف نواز اور فوج کے حلقے بھی سوچتے ہیں کہ ملک اور خاص طور پر سندھ جس حالت سے دوچار ہے اس میں پیپلزپارٹی سے سیاسی مفاہمت ضروری ہوگئی ہے ۔ اب واضح طور پر فوج اس مفاہمت کے لئے زور دے رہی ہے کیونکہ ملکی سلامتی اور دفاع کے نقطہ نظر سے بھی یہ مفاہمت ضروری ہے لیکن صدر اسحاق اور جناب نواز شریف دونوں اڑ گئے ہیں کہ ہم کوئی مصالحت نہیں کریں گے ۔ یہ ایک حد تک فطری بھی ہے لوگ اپنے ہی خاندان میں اپنے عزیزوں کے ساتھ دولت کا بٹوارہ منظور نہیں کرتے ' پورے ملک کا اقتدار تو بڑی چیز ہے ۔ اس میں دوسرے کو حصہ کس طرح دے دیں ؟ مگر جو بھی ہو حصہ دینا ہوگا ۔ تمام بالغ نظر سیاسی عناصر اس پر متفق ہیں کہ اس ملک کو نہ مسلم لیگ تنہا چلا سکتی ہے نہ پیپلزپارٹی نہ کوئی اور جماعت ' سب مل جل کر ہی اس مشکل وقت میں ملک کی ڈولتی کشتی کو ساحل پر لگا سکتے ہیں ۔

یاد رکھنا چاہیے کہ امریکہ میں صدر بش کمزور پڑ رہے ہیں ' گلشن صاحب کا پلڑہ بھاری ہو رہا ہے اور ڈیموکریٹ پارٹی کا عہد آگیا تو ان سے معاملہ کرنے کے لئے بے نظیر کی ضرورت اور بھی زیادہ ہوگی ۔ اگر بش ہی اقتدار پر رہتے ہیں تب بھی ایٹمی مسئلہ پر امریکی تیور غضبناک ہیں ۔ آنے والے دن سخت ہیں اور سیاسی مفاہمت کے بغیر ان سخت دنوں کا مقابلہ نہیں ہوسکے گا ۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ آج کی دنیا ساکن اور جامد دنیا نہیں ہے ۔ پہلے بھی زمانے میں کن فیکون کا عمل جاری تھا اور صرف تغیر کو ہی ثبات حاصل تھا لیکن اب تبدیلی کی رفتار آواز سے زیادہ تیز ہے اس دور میں ہم نہ فرسودہ نظام چلا سکتے ہیں نہ گھن کھائے اداروں کو باقی رکھ سکتے ہیں ۔

وہ آئین بھی جو چوں چوں کا مربہ ہے ' سیاسی عدم استحکام کی جڑ ہے کیونکہ یہ آئین صدارتی بھی ہے پارلیمانی بھی ' اسلامی بھی ہے غیر اسلامی بھی ' صوبائی خود مختاری کا بھی ہے اور نہیں بھی ۔ اس لئے بے نظیر صاحبہ کی اس بات میں وزن ہے کہ ایک نیا سوشل کنٹریکٹ رہنماؤں کی سطح پر ہونا چاہیے ۔ اس میں بنیادی اتفاق رائے اور مفاہمت سے تبدیلیاں لائی جائیں اور نئے انتخابات کے ذریعے ملک کا سیاسی مسئلہ حل کرنے کی ایک نئی کوشش ہو اس وقت سندھ ہی نہیں سرحد کی حکومت بھی بے چینی کا اظہار کررہی ہے ' بلوچستان کے جمالی صاحب نے صوبائی خود مختاری کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ چشم کشا ہونا چاہیے '

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

یہاں اول روز سے مضبوط نظم کی ضرورت ہوتی ہے

انقلابی جماعت یعنی حزب اللہ کی خصوصیات

ڈاکٹر اسرار احمد

اسلامی انقلاب برپا کرنے کا ارادہ رکھنے والی پارٹی ایک بالکل نئی جماعت ہونی چاہیے

(نوائے وقت کے شکریئے کے ساتھ)

انقلابی نظریئے کی نشرو اشاعت کے بعد کسی انقلابی جدوجہد کے لئے دوسری لازمی ضرورت ایک مضبوط اور منظم انقلابی جماعت کی ہوتی ہے ---- یا یوں کہہ لیا جائے کہ انقلابی دعوت کے عام کرنے کے بعد "انقلابی عمل" کا دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو ایک مضبوط اور مربوط تنظیمی سلسلے میں منسلک کیا جائے جو اس دعوت کو شعوری طور پر قبول کریں اور اس کو عملی جامہ پہنانے یا بالفاظ دیگر انقلاب برپا کرنے کے لئے تن من دھن قربان کرنے کے لئے ذہنی اور قلبی اعتبار سے پوری طرح آمادہ ہوں۔

دو لازمی اجزائے ترکیبی

اس انقلابی جماعت کے دو خصائص تو از خود ظاہر و باہر ہیں ' اس لئے کہ وہ اس کے ایسے اجزائے ترکیبی کی حیثیت رکھتے ہیں جن کے بغیر کسی انقلابی جماعت کے وجود کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا ۔ یعنی ایک یہ کہ وہ جماعت انقلابی نظریات اور تصورات کی اساس پر وجود میں آئے ' اور دوسرے یہ کہ اس میں وہ لوگ شریک اور شامل ہوں جو ان نظریات کو اس درجہ حرزجان بنالیں کہ ان کا جینا اور مرنا ان ہی کے لئے ہوجائے اور انقلاب انہیں اس درجہ محبوب ہوجائے کہ اس کے لئے وہ ہر چیز کو قربان کرنے کے لئے تیار ہوں ۔ چنانچہ اعلیٰ سے اعلیٰ کیریر اور روشن سے روشن مستقبل اور جملہ علائق دنیوی' گویا بقول اقبال " یہ مال و دولت دنیا ' یہ رشتہ و پیوند " الغرض دنیا کی ہر چیز یہاں تک کہ متاع زیست اور نقد حیات کو بھی داؤ پر لگانے کے لئے پوری خوش دلی کے ساتھ آمادہ ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے "فدائین" کے بغیر نہ کوئی انقلاب آج تک وجود میں آیا ہے نہ آئندہ کبھی آسکتا ہے ' چنانچہ اسلامی انقلاب کے لئے بھی ایسے "مجاہدین" لازمی ہیں جو قرآن مجید کے مبارک الفاظ: " میری نماز ' اور میری قربانی ' اور (اسی طرح) میرا جینا ' اور میرا مرنا ' سب اللہ ہی کے لئے ہیں !" (سورۂ انعام : آیت ۱۶۲) کا زندہ نمونہ بن جائیں ۔ بصورت دیگر محض جز وقتی یا خوش طبعی کے طور پر کئے جانے والے کاموں ' اور جان و مال کی حفاظت ' اور علائق دنیوی کے پاس و لحاظ کو مقدم رکھنے والے لوگوں کے ذریعے کسی جزوی اصلاح کا کام تو ہوسکتا ہے ' اور کوئی تعلیمی و اصلاحی ' اور سیاسی و تبلیغی مہم تو سر کی جاسکتی ہے ' پولیٹیکو سوشیو اکنامک سسٹم میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی ' یعنی انقلاب برپا نہیں کیا جاسکتا ۔

اس حقیقت کبریٰ کو قرآن حکیم نے سورۂ فاطر کی آیت ۱۰ میں نہایت خوبصورتی کے ساتھ اس طور سے بیان کیا ہے کہ ہر پاکیزہ خیال اور اعلیٰ نظریئے میں اوپر کی جانب اٹھنے کی استعداد اور صلاحیت تو فطری طور پر موجود ہوتی ہے لیکن اس کا بالفعل بلند اور غالب و قائم ہونا بھرپور عملی جدوجہد ہی کے ذریعے ممکن ہے جس کے بغیر اعلیٰ سے اعلیٰ نظریہ اور بہتر سے بہتر خیالات بھی غیر موثر اور بے نتیجہ رہ جاتے ہیں اور اچھے سے اچھے ارادے اور اونچے سے اونچے عزائم بھی صرف "نیک خواہشات" کی صورت اختیار کر لیتے ہیں ۔ گویا " عمل صالح" کے بغیر " کلمہ طیبہ " اور "علم توحید" بھی فی الواقع بلند نہیں ہوسکتا بلکہ سرنگوں اور سر گشندہ رہ جاتا ہے ۔

چار اضافی خصائص: نئی جماعت

کسی انقلابی جماعت کے ان دو اجزائے ترکیبی کے علاوہ مندرجہ ذیل چار اضافی خصائص ایسے ہیں جن کے بغیر کوئی جماعت حقیقی معنی میں "انقلابی" قرار نہیں دی جاسکتی :

۱۔ اولین یہ کہ یہ جماعت بالکل "نئی" ہونی چاہیے ۔ اور اس کے ڈانڈے کسی بھی درجہ میں معاشرہ میں پہلے سے قائم کسی ادارے یا ہیئت تنظیمی کے ساتھ ملے ہوئے نہیں ہونے چاہیں ۔ اس لئے کہ ایسے تمام ادارے اور تنظیمیں ہیئتیں جو اس معاشرہ میں پہلے سے قائم چلی آرہی ہوں جس کے اجتماعی نظام کو بدلنا مقصود ہے ' خواہ اپنی جگہ کتنی ہی مضبوط اور توانا' اور منظم اور مربوط کیوں نہ نظر آئیں ' انقلاب کے لئے مفید اور موثر نہیں ' مخالف اور مضر ہوتی ہیں۔ اور ان کے ساتھ ادنیٰ ربط و تعلق بھی انقلابی عمل کے لئے ریک کا کام کرتا ہے ۔ اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے ۔ کسی معاشرے میں پہلے سے قائم جملہ ادارے یا موجود الوقت نظام کے باضابطہ و باقاعدہ محافظ و مدد گار ہوتے ہیں ' یا کم از کم ' خواہ مجبوراً ہی سہی ' اس کے ساتھ ایک عرصے سے توافق اور ہم آہنگی اختیار کئے ہوئے ہوتے ہیں ' اب ظاہر ہے کہ پہلی قسم کے ادارے تو بہرصورت انقلاب کے مخالفت و مزاحم ہونگے ہی ' دوسری قسم کے اداروں کی بھی

چونکہ آبیاری اور پرورش اسی نظام کے ذریعے ہوئی ہوتی ہے ' لہٰذا وہ اس میں کسی اساسی اور بنیادی تبدیلی کے لئے ذہناً" اور طبعاً" آمادہ نہیں ہوتے ' بلکہ نہ صرف یہ کہ انقلابی نعروں کے پردے میں محض ظاہری اور سطحی تبدیلی اور اوپر کی ٹیپ ٹاپ ہی پر قناعت کر لیتے ہیں ' بلکہ بسا اوقات ریڈیکل یعنی حقیقی اور بنیادی تبدیلی کی خواہاں انقلابی قوتوں کا راستہ روکنے میں مقدم الذکر اداروں اور قوتوں کے معد اور معاون بن جاتے ہیں

بنا بریں کوئی فوجی قائد ' خواہ وہ اپنے عہدے اور اس سے وابستہ اختیارات کے اعتبار سے کتنا ہی طاقتور اور مقتدر نظر آتا ہو ' مزید برآں خواہ وہ اپنے ذاتی خیالات و نظریات کے اعتبار سے کتنا ہی "انقلابی" کیوں نہ ہو ' ملک میں قائم سیاسی ' سماجی اور بالخصوص معاشی نظام میں کوئی بنیادی تبدیلی نہیں لاسکتا۔ اس لئے کہ اس کی ساری قوت اور طاقت کا دارومدار فوج کی مجموعی قیادت پر ہوتا ہے ' جس کی اکثریت موجود الوقت ظروف و احوال ' اور پہلے سے قائم اجتماعی نظام کی آغوش میں تربیت پانے کے باعث مزاجاً" اس کے ساتھ ہم آہنگی کی حامل ہوتی ہے۔

اسی طرح کوئی مذہبی "ہائر آرگ" بھی خواہ وہ کتنی ہی مربوط اور منظم کیوں نہ ہو ' اور تعلیم و تربیت اور درجہ بندی کے کتنے ہی اعلیٰ معیارات کی حامل کیوں نہ ہو ' معاشرے کے اجتماعی نظام بالخصوص اقتصادی ڈھانچے میں کوئی تبدیلی نہیں لاسکتی ۔ اس لئے کہ ایک تو وہ خود اسی کی "پروردہ" ہوتی ہے اور اس کی جڑوں کو بھی پانی اسی سماجی اور اقتصادی نظام سے ملا ہوتا ہے ۔ دوسرے کے اس لئے ان محدود مذہبی تصورات اور عقائد و رسومات سے بلند تر سطح پر اٹھنا ناممکن ہوتا ہے جو ایک عرصہ تک ناموافق اجتماعی نظام کے تابع رہنے کے ناتے غیر فعال اور غیر متحرک رہنے کے باعث جامد و منجمد ہی نہیں باقاعدہ متحجر ہوچکے ہوتے ہیں ۔ چنانچہ یہ محدود مذہبی تصورات اور عقائد ان کے پاؤں کی زنجیر بن کر رہ جاتے ہیں اور خواہ زبان سے وہ کتنے ہی انقلابی نعرے لگائیں ' اور آفاقی نظریات کا پرچار کریں عملاً" فرقہ ورانہ عقائد اور رسومات کی دلدل سے باہر نہیں نکل سکتے

اس تلخ حقیقت کے ناقابل تردید شواہد ہماری اپنی حالیہ تاریخ اور آس پاس کے حالات و واقعات میں موجود ہیں ' جن کا صراحت اور تفصیل کے ساتھ ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے ۔ قصہ مختصر یہ کہ عقل و منطق کا تقاضا بھی یہی ہے اور تاریخی اور واقعاتی شہادتیں بھی اسی کی ہیں کہ کسی "حقیقی انقلاب" کے لئے ایک ایسی "انقلابی جماعت" لازمی ہے جو بالکل نئی ہو اور خالص انقلابی نظریات کی بنیاد پر وجود میں آئی ہو اور جس کے ڈانڈے معاشرے میں پہلے سے قائم کسی بھی سماجی ' انتظامی یا مذہبی ہیئت اجتماعی سے ہرگز نہ ملتے ہوں۔

نئے کاڈرز کی تیاری

۲۔ ایک حقیقی انقلابی جماعت کا دوسرا لازمی وصف ' جو پہلے وصف ہی کا منطقی نتیجہ ہے ' یہ ہے کہ اس میں کاڈرز کی ترتیب اور درجہ بندی کی تعین بھی بالکل نیا ہونا چاہیے اور بالکلیہ اس بنیاد پر ہونا چاہیے کہ جس کارکن کی انقلابی نظریات کے ساتھ وابستگی کی گہرائی اور گیرائی جتنی زیادہ ہو ' اور وہ انقلاب کے لئے "تن ' من ' دھن" کی قربانی جتنی زیادہ اور جتنے والہانہ اور سرفروشانہ انداز میں دے رہا ہو وہ جماعت میں اسی قدر اوپر چڑھتا اور ترقی کرتا چلا جائے ۔ اور اس درجہ بندی میں قطعاً" کوئی عکس معاشرے میں پہلے سے موجود امتیازات یا اونچ نیچ کے معیارات کا موجود نہ ہو ۔ مثال کے طور پر اگر بھارت کی کمیونسٹ پارٹی میں بھی برہمن اونچا اور شودر نیچا شمار ہو تو وہ انقلابی جماعت کہلانے کی سرے سے مستحق ہی نہیں ہوسکتی ---- یہاں تو ترقی درجات کا واحد معیار "کمٹ منٹ" کی گہرائی ہونی چاہیے جس کا خارجی ظہور انقلابی جوش و خروش (بلکہ جنون) اور زیادہ سے زیادہ ایثار اور قربانی کی صورت میں ہوتا ہے ۔

کافروں پر سخت ' آپس میں شفیق

۳ ۔ کسی انقلابی جماعت کی تیسری لازمی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس کے وابستگان میں اپنے نظریات اور مقاصد سے گہرے ذہنی و قلبی لگاؤ کے نتیجے میں ان کی دوستی اور قلبی محبت کا دائرہ رفتہ رفتہ صرف "ہم مقصد" لوگوں تک محدود ہوجاتا ہے اور وہ انہیں حقیقی بھائیوں سے بڑھ کر عزیز ہوجاتے ہیں ' خواہ ان کے ساتھ ان کا رنگ و خون ' اور نسل و زبان کا کوئی اشتراک نہ ہو ۔ اور اسی کے عکس کے طور پر ہر وہ شخص جو انقلاب کا دشمن ہو انہیں اپنا ذاتی دشمن نظر آنے لگتا ہے خواہ وہ ان کا قریبی عزیز اور رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو ۔ یہاں تک کہ قرآن کے الفاظ میں "خواہ وہ ان کے باپ ' یا بیٹے یا بھائی ' یا قریبی رشتہ دار ہی ہوں !" (سورۂ مجادلہ آیت نمبر ۲۲) ۔ چنانچہ "حزب اللہ" کی اسی "دوطرفہ" کیفیت کو قرآن حکیم نے سورۂ فتح کی آخری آیت میں "کافروں پر بہت سخت ' آپس میں نہایت شفیق" اور سورۂ مائدہ کی آیت ۵۴ میں "اہل ایمان کے سامنے بالکل بچھ جانے والے' لیکن کافروں کے حق میں بہت بھاری " کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے ۔ اور مرد مومن کی اسی کیفیت کا نقشہ علامہ اقبال نے ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ ۔" ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم- رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن"---- اور اگرچہ اب تو کمیونزم اور کمیونسٹ تحریک ماضی کی داستان بن گئی ہے تاہم اس کے عروج کے زمانے میں یہی کیفیت سچے کمیونسٹوں میں بہ تمام و کمال نظر آتی تھی کہ "کامریڈ" کا لفظ بھی زبان سے اس طرح ادا ہوتا تھا کہ جیسے وہ محبت کی چاشنی اور اخوت کی مٹھاس میں لپٹا ہوا ہو!

نظم و ضبط میں شدت

۴۔ کسی انقلابی جماعت کا چوتھا اور اہم ترین وصف لازم یہ ہے کہ اس کے نظم و ضبط کو فوج کے روایتی ڈسپلن کے معیار پر پورا اترنا چاہیے ۔ اس لئے کہ ہر انقلابی جدوجہد اپنے طبعی اور منطقی تقاضے کے طور پر لازماً" "تصادم" کو جنم دیتی ہے ۔ جس کا پہلا مرحلہ 'جیسے کہ بعد میں واضح کیا جائے گا ' یک طرفہ ہوتا ہے ۔ یعنی انقلاب کے حامیوں اور علمبرداروں پر تو تشدد کیا جاتا ہے لیکن وہ کوئی جوابی کارروائی نہیں کرتے بلکہ ہر زیادتی کو ' خواہ وہ صرف زبانی کلامی ہو یا بالفعل جسمانی ہو ' صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرتے ہوئے اپنے انقلابی پیغام کی نشر و اشاعت اور اپنے حلقہ اثر و نفوذ کی توسیع میں لگے رہتے ہیں ۔ یہاں تک کہ جب مناسب قوت فراہم ہوجاتی ہے تو اقدام اور چیلنج کا مرحلہ شروع ہوجاتا ہے ۔ جس کے نتیجے میں تصادم بھی دو طرفہ ہوجاتا ہے ' خواہ وہ انقلابی جماعت کی جانب سے مسلح بغاوت کی شکل میں ہو ' خواہ غیر مسلح مظاہروں کی صورت میں۔ بہر حال تصادم یک طرفہ ہو یا دو طرفہ ہر صورت میں انقلابی جماعت کے ڈسپلن اور نظم و ضبط کو فیصلہ

کن اہمیت حاصل ہوتی ہے ۔ اس لئے کہ خواہ یک طرفہ تصادم کے دور میں کچھ لوگ بے قابو ہو کر قبل از وقت مشتعل ہو جائیں اور جوابی کارروائی کا آغاز کر بیٹھیں' خواہ دو طرفہ تصادم کے دور میں مختلف لوگ یا مختلف گروہ اپنی اپنی صوابدید کے مطابق لائحہ عمل اختیار کرلیں' دونوں صورتوں میں سالہاسال کی مخلصانہ محنت کے ضائع ہوجانے اور برسوں کے کئے کرائے پر پانی پھرنے کا اندیشہ ہوتا ہے ۔(جس کی نمایاں ترین مثال غزوۂ احد میں سامنے آئی کہ پینتیس مسلمانوں کی جانب سے نظم کی خلاف ورزی کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ فتح عارضی طور شکست میں بدل گئی بلکہ اللہ اور رسولؐ کے شیر' سید الشہداء حمزہؓ ابن عبدالمطلب' اور یثرب میں قرآن کے پہلے مبلغ و معلم مصعبؓ بن عمیر سمیت ستر صحابہؓ شہید ہوگئے ۔ اور کچھ عرصے کے لئے پورے ملک میں اسلام اور مسلمانوں کی ہوا اکھڑ گئی اور مخالفین اور معاندین کے حوصلے بلند ہوگئے!)

اس سلسلے میں بعض لوگوں کو یہ مغالطہ پیش آجاتا ہے کہ مضبوط نظم کی اصل ضرورت تو اقدام اور چیلنج کے مرحلے کے شروع ہونے کے بعد ہوتی ہے ۔ ابتدائی مراحل میں اس پر زیادہ زور دینا غیر ضروری ہے ۔ جبکہ واقعہ یہ ہے کہ ' جیسے کہ اوپر عرض کیا گیا ' صبر محض کے مرحلے میں بھی نظم و ضبط کی اتنی ہی ' بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہے ' جتنی اقدام کے مرحلے میں ۔ اس لئے کہ اقدام اور دو طرفہ تصادم کے مرحلے میں تو کارکنوں کے جوش و خروش ' بلکہ قصاص و انتقام کے جذبات کو "مخرج" مل جاتا ہے ' لہٰذا معاملہ کسی قدر آسان ہوجاتا ہے ' جبکہ صبر محض کے مرحلے میں ان تمام جذبات کے ضمن میں ۔" اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی!" پر عمل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جس کے لئے کہیں زیادہ ضبط نفس درکار ہے ۔ اور اگر پارٹی ڈسپلن اور جماعتی نظم کمزور ہو تو کچھ لوگوں کا اس طرح جوش میں بے قابو ہو کر کوئی اقدام کر بیٹھنا جماعت اور تحریک کی قیادت کے سارے نقشہ کار اور پوری منصوبہ بندی کو تلپٹ کرنے کا سبب بن سکتا ہے۔

سمع و طاعت کی تربیت

مزید برآں ' کسی ہیت تنظیمی کی نوعیت ابتداء ہی سے اس کے آخری ہدف کے مطابق ہونی ضروری ہے ۔ اس لئے کہ اگر ابتداء سے اس کا مزاج کسی اور انداز اور رخ پر پروان چڑھا ہو تو بعد میں کسی مرحلے پر اس کے مزاج میں اچانک کوئی تبدیلی پیدا کرنا ممکن نہیں ہوتا ۔ اور کسی ڈھیلی ڈھالی تنظیم دفعتہ" کو فوج کے سے ڈسپلن والی جماعت میں نہیں بدلا جاسکتا ۔ اس کے لئے تو اس کے وابستگان کو شروع ہی سے "سنو اور تعمیل کرو!" کا عادی اور تسلیم و اطاعت کا خوگر بنانا ضروری ہوتا ہے ۔ جس کے لئے بڑی سخت محنت اور مسلسل مشق ضروری ہے ۔ اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ کسی بھی انسان کے لئے اپنے ہی جیسے دو ہاتھ اور دو پاؤں رکھنے والے کسی دوسرے انسان کا "حکم" ماننا آسان کام نہیں ہوتا ۔ اور اس کے لئے اپنی "انا" کی بڑی قربانی اور نفس کے بڑے ایثار کی ضرورت ہوتی ہے ' جس کے لئے ع " ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے!" کے انداز میں پیہم مشق اور ریاضت ضروری ہے!

اب ان شاء اللہ آئندہ صحبت میں ہم "محمد رسول اللہ و الذین معہ " (صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ عنہم اجمعین) پر مشتمل "حزب اللہ" کا تاریخی اور واقعاتی جائزہ اوپر کے اصولی مباحث کی روشنی میں لیں گے ۔ تاکہ مزید واضح ہوجائے کہ اس جماعت کے خدوخال کیا تھے جس نے اب سے چودہ سو سال قبل تاریخ انسانی کا وہ عظیم ترین اور ہمہ گیر ترین انقلاب برپا کیا تھا جس کی کوئی دوسری مثال نہ انبیاء اور رسولوں کی مقدس جماعت میں موجود ہے نہ دیگر انقلابات عالم میں ' اور جس کی عظمت اور جامعیت کو اس صدی میں مشرق کے ایم این رائے اور ایم کے گاندھی' اور مغرب کے ایچ جی ویلز اور ڈاکٹر مائیکل ہارٹ ایسے لوگوں نے سلام کیا ہے!

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان کا

دورۂ گوجرانوالہ

☆ ۱۳ر اگست بروز جمعرات بعد نماز مغرب ـــــ جلسہ خلافت

کمپنی باغ گوجرانوالہ

☆ ۱۴ر اگست بروز جمعۃ المبارک ٹھیک ساڑھے بارہ بجے خطاب جمعہ

جامع مسجد زینت سمال انڈسٹریز اسٹیٹ جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

☆ ۱۴ر اگست بروز جمعہ ـــــ بعد نماز عصر

افتتاح دفتر تنظیم اسلامی و تحریک خلافت حلقہ گوجرانوالہ ڈویژن

اور نشست سوال و جواب

ہسپانیہ کی تاریخ ٹھیک پانچ صدیوں بعد

خاک ہو جائیں گے

بوسنیا کے بے کس مسلمانوں کو

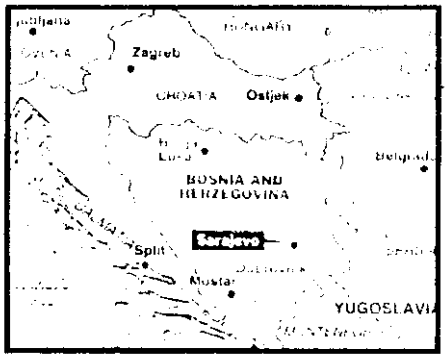

دنیا کی واحد سپر پاور امریکہ کی نگرانی اور سرپرستی میں یو این او کی عالمی امن و امان اور جمہوری قدروں کی اجارہ داری کے باوجود سابق یوگوسلاویہ کی نو آزاد ریاست بوسنیا میں مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے جس بربریت کا مظاہرہ ہو رہا ہے اس کی خبریں ہر روز ریڈیو' ٹیلی ویژن اور اخبارات کے ذریعے پوری دنیا میں عوام تک پہنچ رہی ہیں ---- اور مغربی ممالک میں کم از کم میڈیا کی حد تک اس پر تشویش بھی ظاہر کی جارہی ہے مگر نوع انسانی کی بھلائی اور تحفظ عطا کرنے والے عظیم ترین ضابطہ حیات' اسلام کے ماننے والے کروڑوں مسلمان دم سادھے اس سانحہ کو گزرتے دیکھ رہے ہیں۔ حمیت نام تھا جس کا وہ تقریباً سب ہی نام نہاد مسلمان اقوام کے گھروں سے رخصت ہو چکی ہے۔

۱۹۹۰ء میں کمیونسٹ دور کے خاتمہ پر روس کی طرح یوگوسلاویہ بھی چھ خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہوگیا جنہیں باقاعدہ اقوام متحدہ میں نمائندگی حاصل ہے۔ مگر مرکزی سطح پر بھی حکومتی ڈھانچہ کسی حد تک ابھی برقرار ہے۔ انہی نو آزاد ریاستوں میں سے ایک مسلم اکثریت کی ریاست "بوسنیا" ہے جس کا پورا نام "بوسنیا ہرزی گوینا" ہے۔ اس کا دار الحکومت سرائیو Sarajevo اور "علی جا" صدر ہیں۔ کل رقبہ اکیاون ہزار(۵۱۰۰۰) مربع کیلو میٹر اور آبادی چھیالیس لاکھ کے لگ بھگ ہے جس میں اکیاون فیصد کے قریب مسلمان اور باقی سربیائی اور کروشیائی باشندے آباد ہیں۔ بوسنیا کے علاوہ مونٹینگرو' بھی جس کی سرحدیں بوسنیا اور سربیا سے ملتی ہیں' مسلم اکثریت کا علاقہ ہے جہاں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب ستاون فیصد ہے

بوسنیا کا علاقہ یورپ کے جنوب مشرق میں واقع ہے جو جزیرہ نما بلقان کا وسطی حصہ ہے۔ اس کے شمال مغرب میں کروشیا اور جنوب مشرق میں سربیا کی عیسائی ریاستیں ہیں جو یوگوسلاویہ کی پیپلز آرمی اور مقامی سربیائی اور کروشیائی آبادی کی مدد سے مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی کارروائی میں مصروف ہیں۔ ستم تو یہ ہے کہ خود بوسنیا کی فوج میں ۸۰ فی صد سرب عیسائی ہیں مگر یہ بات اس پس منظر میں سمجھ میں آنے والی ہے کہ

بوسنیا ہرزیگووینا کے مسلمان آج عرصہ محشر میں ہیں۔ جدید تعلیم یافتہ' روشن خیال اور بلند ترین انسانی قدروں کا ورد کرنے والے یورپی عیسائی پچیس تیس لاکھ مسلمانوں کو اپنے چنگل میں دیکھ کر آپے سے باہر ہوگئے' انہوں نے تہذیب و اخلاق کا چولا اتار پھینکا اور بھیڑیوں کی جون میں آکر وحشت و بربریت کا وہ بازار گرم کیا کہ بے نیاز دنیا کا بے حس ضمیر بھی انگڑائیاں لینے پر مجبور ہوگیا ہے۔ معرکہ ہلال و صلیب کی تاریخ پھر دہرائی جارہی ہے جس کے روشن ابواب مسلمانوں کی عالی ظرفی اور انسانیت نوازی سے عبارت تھے تو تیرہ و تاریک گوشوں کا عنوان تثلیث کے علمبرداروں کا اندھا تعصب اور بہرا جذبہ انتقام تھا۔ ہاں' اس زمانے میں اقوام متحدہ نام کا کوئی ادارہ موجود نہ تھا جو مظلوم کے (اگر وہ مسلمان ہو تو) ہاتھ پکڑ کر ظالم کو بے خوف و خطر اپنے حیوانی عزائم کی تکمیل کا موقع فراہم کرتا ہے' عالم اسلام نے غیرت و حمیت کو یوں دیس نکالا بھی نہیں دیا تھا جیسے آج دے رکھا ہے اور تباہی و بربادی کا وہ سامان بھی ایجاد نہیں ہوا تھا جو ہنستی بستی آبادیوں کو آن کی آن میں ویران کر کے رکھ دے۔ بوسنیا کے بے کس مسلمانوں کی بدقسمتی یہ بھی ہے کہ ان دنوں یو این او کا سیکرٹری جنرل ایک مسلمان ملک سے تعلق رکھنے والا ایک ایسا متعصب عیسائی ہے جس کی مسلم دشمنی چھپائے نہیں چھپتی۔ بطروس بطروس غالی قبطی عیسائی ہی ہوتا تب بھی خیر تھی' اس کی خون مسلم کی پیاسی یہودی بیوی نے کریلے کو نیم چڑھا بنا کر رکھ دیا ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ امن عالم کا ذمہ دار یہ ادارہ امت مسلمہ کے حق میں اتنا بے اثر کبھی نہ ہوا تھا جتنا اب نظر آنے لگا ہے۔ مسلمانوں سے عناد اب عالمی ادارے کے سیکرٹری جنرل کا "گھریلو مشغلہ" بھی ہے۔

بوسنیا کے مسلمانوں پر جو افتاد پڑی ہے اس کی تفصیلات عالمی ذرائع ابلاغ کی وساطت سے اہل پاکستان کے علم میں بھی آگئی ہیں اور ہماری معلومات کا ذریعہ بھی پی ٹی وی اور مقامی اخبارات ہی تھے لیکن حالیہ سفر ترکی کے دوران مجھے بھی جمہوریہ بوسنیا ہرزیگووینا کے بااختیار نمائندے جناب ڈاکٹر عزت اگانووچ کی اس گفتگو سے بطور سامع استفادے کا موقع ملا جو انہوں نے امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے استنبول میں ایک خصوصی ملاقات میں کی۔ ڈاکٹر عزت مغرب میں اپنے ٹھکانے سے مسلم ملکوں کے سفر پر نکلے ہوئے ہیں تاکہ غیر سرکاری سطح پر مسلمانوں کے ضمیر کو جھنجوڑ سکیں جبکہ سرکاری سطح پر یہ کام جمہوریہ بوسنیا کے وزیر خارجہ کر رہے ہیں جو انہی دنوں پاکستان بھی پہنچے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ بات شاید انکشاف کا درجہ رکھتی ہو

ورپ کے مشرقی حصے میں دہرائی جارہی ہے

م تم کو خبر ہونے تک

سلم دنیا نے بھیڑیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے

سردار اعوان

اس مسجد کا تو مینار ہی شہید ہوا لیکن بوسنیا کی دو ہزار مساجد میں سے پانچ سو کو ملبے کا ڈھیر بنایا جاچکا ہے ۔ چار سو سے زائد ائمہ مساجد کو نمازیوں کے سامنے ذبح کیا گیا اور دشمنوں کے بعض جتھوں نے "تماشا" دیکھنے کے لئے یہ ستم بھی ایجاد کیا کہ عین اس وقت مسجد میں داخل ہوتے جب وہاں جماعت ہو رہی ہوتی ۔ ایک ماہر نشانہ باز پیچھے کھڑے ہو کر سجدے کی حالت میں امام کی جائے حاجت کو ہدف بناتا اور گولی امام کے جسم کو اندر سے پھاڑتے ہوئے گردن سے باہر نکلتی تھی ۔ اور یہ کوئی منفرد واقعہ نہیں ' متعدد مقامات پر اس تماشے کو دہرایا گیا ہے ۔

کہ وہ اقوام متحدہ کا دروازہ کھٹکھٹانے اور مسلمان حکومتوں تک اپنی قوم کی فریاد پہنچانے کے لئے بالا ہی بالا مسلسل سفر کرنے پر اس لئے بھی مجبور ہیں کہ وطن واپسی کا راستہ ان پر بند ہوچکا ہے اور وہ صدر جمہوریہ اور اپنی حکومت سے محض ٹیلی مواصلاتی ذرائع سے ہی ربط رکھنے پر مجبور ہیں

اندازہ ہوا کہ بوسنیا کے باسی اور شاید پورے مشرقی یورپ میں کم و بیش پائے جانے والے مسلمان بھائی بس ہماری ہی طرح نام کے مسلمان ہیں ۔ بلکہ مادر پدر آزاد یورپ کی فضا اور سوشلزم کے قہر نے ان میں شاید اتنی مذہبیت بھی باقی نہیں رہنے دی جتنی یہاں نظر آتی ہے لیکن ترقی پسند اور روشن خیال یورپ اور اس کا اتحادی امریکہ پھر بھی ان کے درپے ہے تو صرف اس لئے کہ وہ کلمہ گو ہیں اور کتنا ہی بعید سہی ' ایک امکان اس بات کا موجود ہے کہ جمہوریہ بوسنیا ہرزیگووینا اپنی آبادی میں مسلمان اکثریت کے بل بوتے پر ایک "مسلمان حکومت" بن جائے اور پھر یہ بھی ہو تو سکتا ہے کہ وہاں "بنیاد پرستی" کے جراثیم بھی مار کرنے لگیں ۔ "دگس کو باغ میں جانے نہ دینا ۔ کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا" ایک شاعرانہ پیش بندی ہے لیکن عیسائی دنیا دور جدید میں بھی اپنی حکمت عملی دن دہاڑے اسی طرح کے واہیے پر بناتی دکھائی دے رہی ہے ۔

سردار اعوان صاحب نے قارئین کی معلومات کے لئے جو مواد جمع کیا ہے اس میں حسب ضرورت علیحدہ چوکھٹے لگا کر میں ان چند باتوں کا اضافہ کررہا ہوں جو استنبول میں ڈاکٹر عزت سے معلوم ہوئیں ۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے دورۂ ترکی کے تاثرات ۷ر اگست کو مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں اپنے خطاب جمعہ کے دوران بیان کئے جن کا پریس ریلیز اس شمارے میں شامل ہے اور تقریر کے متعلقہ حصے اگلے پرچے میں آجائیں گے ۔ میں خود بھی اپنے مشاہدات اسی میں عرض کروں گا لیکن بوسنیا کے مسلمانوں پر جو بیت رہی ہے ' اس کے ذکر کو موخر کرنا مناسب نہ تھا ---- پانچ سو سال ہوئے جب یورپ کے مغربی حصے ہسپانیہ سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹایا گیا تھا ' ہم تاریخ میں اس کا تو حال پڑھ کر آنسو ہی بہا سکتے ہیں لیکن عین اس وقت جب ایک طرف سپین میں مسلمانوں کی بے دخلی کا پانچ صد سالہ جشن منایا جارہا ہے ' دوسری طرف مشرقی یورپ سے مسلمانوں کا صفایا ہماری دیکھتی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے اور ہم ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے ۔ ۴۵ آزاد و خود مختار مسلمان ریاستوں کے ہوتے غیروں کو اس کا حوصلہ ہوا تو اس لئے کہ حمیت نام تھا جس کا گئی تیمور کے گھر سے ------ (مدیر)

یوگوسلاویہ کے نئے وزیراعظم " ملان پانک" کے بقول جن کا تعلق سربیا سے ہے اور امریکہ میں ان کا بہت کاروبار ہے ' ان کی بیوی کروشیائی ہے مگر بیٹی ایک مسلمان سے شادی کر کے مسلمان ہوچکی ہے۔ پانچ سو سال قبل سپین میں جو عمل ہوا وہی یہاں دہرایا جارہا ہے ۔

ایک اندازہ کے مطابق گذشتہ چار ماہ کے عرصہ میں بوسنیا کے دو تہائی حصہ پر سرب فوج قابض ہوچکی ہے ' اب تک پچاس ہزار کے قریب مسلمان شہید کئے جاچکے ہیں جن میں بوڑھے ' بچے اور خواتین بھی شامل ہیں ' ایک تہائی آبادی بے گھر ہوچکی ہے ۔ سرائیوو کے مضافات میں پہاڑیوں اور شہر کے تمام اہم راستوں پر سربیا کی

IN EXTREMIS

ہفت روزہ ٹائم (۲۷ر جولائی) میں بوسنیا پر فیچر کی سرخیاں

PRESIDENT OF THE PRESIDENCY OF
THE REPUBLIC OF BOSNIA - HERZEGOVINA

Alija Izetbegovic

جناب علی جاہ عزت بیگوچ صدر جمہوریہ بوسنیا ہرزیگووینا کی پرف سے زغرب کے ڈاکٹر عزت اگانووچ کے حق میں جاری کردہ مختار نامے میں سربیا اور مونٹینگرو کی ریاستوں کو جارحیت کا ذمہ دار گردانا گیا ہے جو براہ راست خود بھی بوسنیا کے مسلمانوں کا قتل عام کررہی ہیں اور دہشت گرد عیسائی تنظیموں کی پشت پناہ بھی ہیں جن کے مراکز سربیا میں واقع ہیں۔

فوج کا کنٹرول ہے' جہاں سے مسلسل گولہ باری کر کے پورے شہر کو کھنڈر بنا دیا گیا ہے۔ اشیائے صرف اور ادویات کی شدید قلت ہے۔ شہر میں محصور افراد کے لئے باہر سے اگر کوئی امداد بھیجی جاتی ہے تو اسے راستے میں لوٹ لیا جاتا ہے' گذشتہ دنوں یتیم بچوں کو نکال کر لے جانے والی بس پر گولیاں برسائی گئیں' اور اس میں ہلاک ہونے والی دو بچیوں کی تدفین کے موقعہ پر قبرستان پر اندھا دھند گولہ باری کی گئی جس میں ایک مرحوم بچی کی معمر دادی شدید زخمی ہوگئی اور تیس کے قریب بچوں نے' جو قبر پر پھول چڑھانے آئے تھے' لیٹ کر جان بچائی۔

اس کھلی جارحیت کے ذریعے بڑی تیزی سے علاقہ کے مسلمانوں کا صفایا کیا جارہا ہے اور شاید اس مقصد کو حاصل کرنے میں کچھ زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ مئی میں سرب فوج نے شمالی بوسنیا میں سارا گاؤں جلا کر راکھ کردیا تو ۲۴ سالہ کسان' حسن محمد اجک قریبی مسلم آبادی والے شہر "پریجڈر" کی جانب بھاگنے کی کوشش میں دشمن کے ہتھے چڑھ گیا ---- اسے کئی ہزار دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ایک کیمپ میں رکھا گیا جس سے نکلنے کی کوشش میں فوراً گولی مار دی جاتی ہے۔ چھیالیس روز کیمپ میں رکھنے کے بعد اس سے تمام جائداد وغیرہ اپنے حق میں لکھوا کر دیگر آٹھ ہزار مسلمانوں کے ساتھ بسوں میں بھر کر کروشیا کے بارڈر کے پار اتار دیا گیا جہاں سے وہ لوگ پناہ کی تلاش میں اگلا سفر شروع کریں گے۔

اپریل میں سربیا کی فوج نے "بجلینا" شہر پر حملہ کر کے ستائیس افراد کو گولی مار دی۔ سفاک قاتل عورتوں کی نعشوں کو ٹھڈے مارتے رہے

شہروں کی بلند و بالا عمارات ہی کھنڈر نہیں بنیں' غریب دیہاتیوں کے رین بسیروں کو بھی نہیں بخشا گیا۔ بوسنیا کے مسلمانوں کی اکثریت اب بے گھر ہوچکی ہے۔ البتہ دشمنوں نے ان نوجوان عفت مآب خواتین کو ضرور مخصوص گھروں میں نظربند کردیا ہے جو انفرادی یا اجتماعی عصمت دری کے نتیجے میں حاملہ ہوگئیں۔ عیسائی فوجی اور بدمعاش رضا کار ان مظلوم خواتین سے کہتے ہیں کہ اب تمہاری زندگی کا مقصد ہماری نسل کی افزائش ہے جسے پرورش کے لئے دودھ بھی تمہاری چھاتیوں ہی سے ملے گا۔

نیوز ویک کا معنی خیز کارٹون: مغربی دنیا کو کیا بوسنیا کی معدنیات کی بھی ضرورت نہیں؟

As the Serbs prepare to seize more territory in the former Yugoslavia, the West stands indignant—but powerless to prevent the triumph of aggression

THE BALKANS

BOSNIA

ڈاکٹر عزت اگانووچ جنہوں نے استنبول کے مرمرہ ہوٹل میں مقیم امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے ۳ر اگست کو ملاقات کی ' طب میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری رکھتے ہیں اور زغرب کی مسلم خیراتی سوسائٹی "مرحمت" کے صدر ہیں ۔ وہ اپنی پیشہ ورانہ مصروفیات میں سے وقت نکال کر ہر اس جگہ پہنچ جاتے ہیں جہاں سے انہیں بوسنیا کے مسلمانوں کے لئے امداد کی توقع ہو ۔ انہیں استنبول میں مسلمان امریکی ڈاکٹروں کی تنظیم آئی ایم اے کے دوسرے بین الاقوامی کنونشن میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی جہاں ایک ہی نشست میں ان کے لئے دو لاکھ ڈالر جمع کر لئے گئے ۔ اس موقع پر ان کی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے خصوصی ملاقات میں ایک اور نمایاں شخصیت بھی موجود تھی جس نے بوسنیا کے مسلمانوں کی ضروریات کے بارے میں تفصیلات لے کر وہیں اپنی یادداشت تیار کی جو ایرانی حکومت کو پیش کی جائے گی ۔ یہ جناب ڈاکٹر ابراہیم یزدی تھے جو اسلامی جمہوریہ ایران کی پہلی کابینہ میں جناب مہدی بازرگان کے ساتھ نائب وزیراعظم اور وزیر خارجہ رہے اور بعد میں بھی تہران سے پارلیمنٹ کے رکن منتخب ہوئے

تاکہ سب لوگ اسے دیکھ کر اپنے حشر کا اندازہ کرلیں۔ سجلینا اب سربیا کا شہر بن چکا ہے ۔ شمال مغربی بوسنیا سے ہزاروں مسلمانوں کو ٹرینوں میں بھر کر وسطی بوسنیا کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے ' گذشتہ ہفتے سربیائی حکام کئی گھنٹے ایک ٹرین پر مول تول کرتے رہے جس سے بھوک اور پیاس کی شدت سے نڈھال ہو کر متعدد بچوں اور بوڑھوں نے ٹرین میں ہی دم توڑ دیا۔

بوسنیا میں مسلمانوں کا وجود صدیوں پرانا ہے ۔ ترکان عثمانی نے مشرقی یورپ میں فتوحات کا

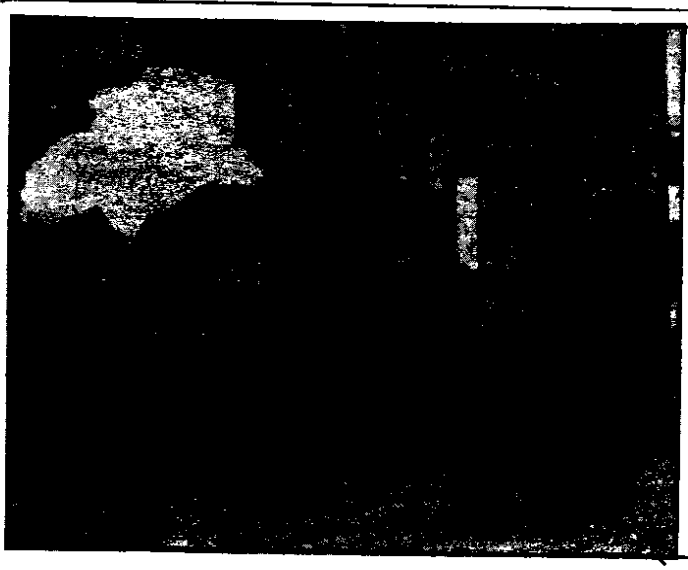

بیسویں صدی کے اختتام پر وحشت و بربریت کا یہ رقص صلیب و ہلال کے معرکوں میں تثلیث کے پجاریوں کی شقاوت قلبی کی یاد تازہ کرتا ہے۔

سلسلہ شروع کیا تو رومن کیتھولک چرچ کی چیرہ دستیوں کے ہاتھوں عاجز آنے والے قدیم یونانی چرچ سے وابستہ ہزاروں عیسائیوں نے اجتماعی طور پر اسلام قبول کر لیا۔ وہ پاپائیت کی ستم رانیوں سے بچنے کے لئے برضاورغبت اسلام کے سایہ رحمت میں داخل ہوئے تھے تاہم مشرق و مغرب کے سنگم پر واقع ہونے کے باعث یہاں کی تہذیب و ثقافت دونوں تہذیبوں کے اثرات لئے ہوئے ہے جو ترکوں کے برعکس اپنے اسلامی مرکز سے نہیں ہٹی۔ حالانکہ متعدد بار اسے جارحیت کا نشانہ بننا پڑا

دوسری جنگ عظیم میں یہودیوں کے بعد سب سے زیادہ قتل عام یہاں مسلمانوں کا ہوا' کروشیا کی فاشسٹ حکومت نے مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کا بدلہ لینے کے لئے خصوصی مہم چلائی' کھیتوں اور مکانوں کو مکینوں سمیت جلا یا گیا۔ مسلمان خواتین اپنے چہروں کو ڈھانپتی تھیں' اس طرز عمل سے بیزاری کے اظہار میں ان کے چہروں سے ان کی کھال نوچ دی گئی' وضو کو سامنے رکھ کر ہاتھوں سے کہنیوں تک کی کھال کھینچ لی گئی اور بچوں کو چٹانوں پر پٹخ پٹخ کر ہلاک کیا گیا۔

یوگوسلاویہ کے نئے وزیراعظم' ملان پانک کو حال ہی میں ایک امریکی ہفت روزے سے کہنا پڑا۔ کہ اس بربریت کے سبب یوگوسلاویہ بیسویں صدی میں ایک وحشی کے روپ میں سامنے آیا ہے۔ ادھر بار بار سوالات کے جواب میں امریکی ترجمان صرف اتنا کہہ سکا کہ اس صورت حال سے ہم ناخوش ہیں' مگر نیوز ویک (۳ر اگست) میں ایک کارٹون سے امریکی پالیسی کی وضاحت شاید زیادہ بہتر طور پر ہوتی ہے جس میں تباہی سے بچ نکلنے کی کوشش میں ایک شخص کہتا ہے "آخر وہ کیا شے ہے جو یورپ اور امریکہ کی توجہ ہماری جانب بھی مبذول کرا دے"۔ جواب ملتا ہے "تیل!"○

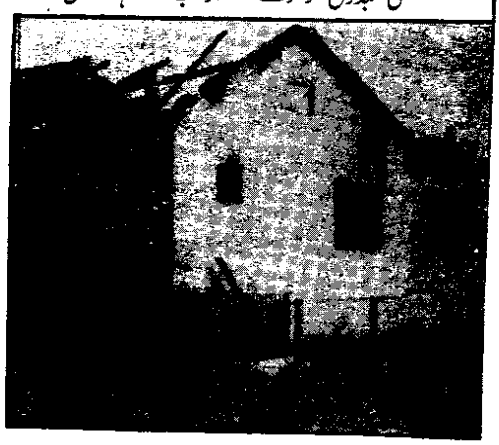

بوسنیا کے مسلمان اپنی سادہ لوحی میں مارے گئے ہیں اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یوگوسلاویہ کی کمیونسٹ فوج میں مسلمانوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی کیونکہ سابقہ لادینی سوشلسٹ حکومت بھی ان کے خلاف اسی تعصب کا شکار رہی جو عیسائی حکومتوں کا شیوہ ہے۔ اس کی چار ریاستیں جب آزاد ہوئیں تو مسلمانوں کی نسل کشی کے لئے ان کے پاس عیسائی فوجی تو موجود ہی تھے' ان فوجیوں کو بے حساب' اسلحہ بھی دے دیا گیا کہ جیسے چاہیں استعمال کریں۔ ادھر جب کچھ سیانوں نے عیسائیوں کے تیور بھانپ کر بوسنیا کے مسلمانوں کو خطرے سے خبردار کیا تو انہیں اس اس انتباہ پر اعتبار نہ آیا۔ وہ کہتے رہے کہ جن لوگوں کے ساتھ ہم صدیوں سے اکٹھے رہتے بستے چلے آرہے ہیں' جن کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور شادی و غم میں شرکت کا رشتہ ہے' وہ کیونکر ہمیں گھروں سے مار بھگانے کا سوچیں گے ---اور ستم بالائے ستم یہ کہ خود ان کی اپنی نو آزاد ریاست کے حصے میں آنے والی فوج میں کلیدی آسامیاں اور اصل اسلحی قوت عیسائیوں کے ہاتھ میں تھی۔

۳ر اگست تک جب ڈاکٹر عزت سے ہماری ملاقات ہوئی' مسلمان حکومتوں کی طرف سے بوسنیا کے مسلمانوں کی حالت زار کو نظرانداز کرنے کی عمومی روش میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی تاہم ایران سے موصول ہونے والی امداد اس وقت تک سب سے زیادہ وقیع تھی۔ ایرانی حکومت نے رقم اور غذا و ادویات کے علاوہ ایک جمبوجیٹ پورا بھر کر وہ سامان بھیجا جس کی بوسنیا میں داد شجاعت دینے والے مسلمانوں کو سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ سعودی عرب کے خادم الحرمین الشریفین نے پچاس لاکھ ڈالر اور متحدہ عرب امارات نے اس سے کم نقد رقم دی جو اونٹ کے منہ میں زیرے سے زیادہ کیا تھی۔ مصر نے دواؤں کے چند ڈبے بھیجے۔ سوڈان جو خود ہر نوع کی مشکلات سے دوچار ہے' کچھ خوراک پہنچانے میں کامیاب ہوا اور نزدیک ترین مسلم ملک ترکی نے پہلے چار اور پھر دس ٹرک بھر کر ادویہ اور خوراک کے بھیجے لیکن چونکہ یہ برادر سیکولر ملک مذہبی چھوت چھات کا قائل نہیں لہٰذا مروجہ فیشن کے مطابق یہ امداد ریڈ کراس کو ارسال کی گئی تھی جو دشمن عیسائیوں کے کام آئی۔ مسلمانوں نے دہائی دی تو ترک حکومت نے آئندہ اپنی امداد براہ راست مسلمانوں کے ہاتھوں میں پہنچانے کا وعدہ کیا جو ابھی وفا نہیں ہوا۔ بس یہی کل تفصیل ہے عالم اسلام سے امداد و تعاون کی!۔

بوسنیا کو رضا کاروں کی پیشکش بھی ہوئی لیکن جواب میں کہا گیا کہ ہمارے پاس لڑنے والوں کی کمی نہیں کیونکہ بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو سرحد پار کرا کے مرد واپس آجاتے ہیں اور محض پندرہ دنوں کی تربیت کے بعد مورچے سنبھالنے کے قابل ہوجاتے ہیں لہٰذا ضرورت ہتھیاروں کی ہے۔ ہتھیار بھجوایئے یا پھر نقد رقوم جن کے عوض ضروری ہتھیار بڑی آسانی سے دستیاب ہوجاتے ہیں اور اقوام متحدہ کی طرف سے عائد کردہ پابندیاں بھی اس میں آڑے نہیں آتیں۔ ہتھیاروں کے بعد خوراک اور دواؤں کا نمبر آتا ہے۔ پاکستان سے بھی وہ آٹے اور چاول کی امید رکھتے ہیں۔ دوائیں چاہے وہ زائد المیعاد ہوچکی ہوں' ان کے کام آجائیں گی۔ فیلڈ ہسپتالوں کے سازو سامان اور آپریشن تھیٹر کے آلات بھی درکار ہیں لیکن ڈاکٹروں اور سرجنوں کی ضرورت نہیں کہ وہ اس معاملے میں خود کفیل ہیں۔ نقد رقوم ڈالروں یا یورپ کی مضبوط کرنسیوں کی شکل میں حکومتوں' اداروں اور مسلمان بھائیوں کی طرف سے شکریہ کے ساتھ قبول کی جائیں گی۔ بسرعت ترسیل زر کے لئے سب سے محفوظ راستہ یہ ہے کہ ڈاکٹر عزت سے رابطہ قائم کیا جائے جو "MERHAMET" کے صدر ہیں" مرحمت" زغرب میں ہلال احمر کے تحت کام کرتا ہے جس کا ٹیلی فون نمبر 412-079 (041) اور فیکس 450-521 (041) ہے۔ خود ڈاکٹر عزت کے گھر کا ٹیلی فون نمبر 613-200 (041) اور ڈاک کا پتہ مندرجہ ذیل ہے:

Asstt. Proff. IZET AGANOVICH M.D, Ph.D
41000 Zagreb, Hrvatska__ II. Cvjetno naselje 3

ایم کیو ایم کے نوجوانوں میں ضد کیوں پیدا ہوئی؟

احساس محرومی کی تلخی کو کم کرنے کی کوشش کسی نے نہ کی

محمد سمیع کراچی

ایم کیو ایم جس نے ایک طلباء تنظیم کی کوکھ سے جنم لیا' چند سالوں کے اندر ہی ملک کی سیاست میں ایک اہم عنصر بن گئی ۔ اس کی بنیادی وجہ تو مہاجروں کی نوجوان نسل کا احساس محرومی ہے لیکن غیر مہاجر آبادی سے ٹکراؤ خصوصاً علی گڑھ کالونی کے واقعہ نے جلتی پر تیل کا کام کیا ۔ اس نے بلدیہ کے انتخابات میں شاندار کامیابی حاصل کی اور بعد ازاں قومی اور صوبائی انتخابات کے نتیجے میں کراچی اور حیدرآباد کی حد تک مہاجروں کی نمائندہ تنظیم بن گئی ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے ابتدائی دور میں اس سے غلطیاں سرزد ہوئیں اور اس مرحلہ سے دنیا کی تمام تنظیموں کو گزرنا پڑتا ہے لیکن رفتہ رفتہ اس کے نوجوان کارکنوں نے نہ صرف یہ کہ بلدیاتی سطح پر بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا بلکہ خدمت خلق کے میدان میں بھی یہ ملک کی تمام سیاسی پارٹیوں سے آگے نکل گئی ۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایم کیو ایم نے بہترین ٹیم ورک کا مظاہرہ کیا ۔ اپنے قائد کے لئے سمع و طاعت کی جو مثال اس کے کارکنوں نے قائم کی وہ کسی سیاسی جماعت کے کارکنوں میں نہیں پائی جاتی حتیٰ کہ دینی سیاسی جماعتوں کے کارکن بھی جو اٹھتے بیٹھتے سمع و طاعت کے بارے میں لیکچر سنتے رہتے ہیں' ایسی مثال قائم کرنے سے قاصر رہے ۔ مہاجر نوجوانوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے جانوں کے نذرانے پیش کئے جس کی بناء پر وہ ان بزرگوں کی بھی آنکھ کا تارہ بن گئے جو ان کی باتوں کو دیوانے کی بڑ قرار دیتے تھے۔ پھر وہ ملکی سیاست میں ایک قدم آگے بڑھ کر متحدہ قومی موومنٹ کے قیام کے لئے کوشاں ہوگئے۔ یہ وہ باتیں ہیں جنہیں ہم ایم کیو ایم کے Plus Points کہہ سکتے ہیں لیکن افسوس کہ تشدد اور بلیک میلنگ کی سیاست نے ان کے تمام کارناموں پر پانی پھیر دیا ۔ حیرت ناک بات یہ ہے کہ اتنا شاندار ریکارڈ رکھنے والی تنظیم تشدد کے راستے پر چل پڑی تو کیوں؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر میں نے کافی غور و خوض کیا ہے اور جو بات میری سمجھ میں آتی ہے وہ محض اس خیال سے پیش کررہا ہوں کہ آئندہ کوئی جماعت تشدد کے راستے پر چلنے سے پہلے غور کرلے کہ وہ ایسا کن اسباب کی بنا پر کرنا چاہتی ہے ۔ ممکن ہے اس پر غور کے بعد وہ تنظیم تشدد کے راستے پر چل نکلنے سے باز آجائے ۔

آل پاکستان مہاجر اسٹوڈنٹ آرگنائزیشن سے لے کر ایم کیو ایم کے ابتدائی دور تک اس کے قائد کو اسیری کے دوران مختلف ٹارچر سیلوں میں تشدد کا سامنا کرنا پڑا جس نے اسکے ذہن کی لاشعوری سطح پر انتقامی جذبہ پروان چڑھایا ۔

مختلف سیاسی بلکہ اس سے زیادہ دینی سیاسی جماعتوں نے صرف اس بنیاد پر معاندانہ رویہ اختیار کیا کہ ایم کیو ایم کی بنیاد مہاجر عصبیت پر ہے ۔ ان کی نگاہ میں یہ ایک بد ترین جرم تھا جس کی مرتکب ایم کیو ایم ہوئی تھی حالانکہ اپنے حقوق کے لئے آواز اٹھانا دین نے حرام قرار نہیں دیا ۔ ممکن ہے ان جماعتوں کو ایم کیو ایم کے طریقہ کار پر اعتراض ہو اور اس کی گنجائش بھی تھی لیکن یہ بات انہیں خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ سمجھائی جاسکتی تھی ۔ اس کی بجائے انہوں نے روز اول سے ہی ایم کیو ایم کی مخالفت شروع کردی ۔ اس کے خلاف لٹریچر شائع کئے گئے اور اسٹکرز کی مہم چلائی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایم کیو ایم میں شامل نوجوان بھی ضد میں آگئے ۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ان نوجوانوں کے معاشی مسائل کے حل کے لئے آج تک ان جماعتوں نے کبھی کوئی سنجیدہ پروگرام نہیں بنایا ۔ انہوں نے محسوس کیا کہ جب وہ اپنے معاشی مسائل کے حل کے لئے خود کھڑے ہوئے تو یہی لوگ جو ان کی مدد کرنے سے اب تک قاصر رہے تھے' ان کی مخالفت کررہے ہیں۔ دینی سیاسی جماعتوں کی مخالفت کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان نوجوانوں نے کراچی اور حیدرآباد کی حد تک سیاست سے ان کے قدم اکھاڑ دیئے تھے لہٰذا انہوں نے ایم کیو ایم کی مخالفت کو اپنا حق سمجھا ۔

ان میں ایک دینی سیاسی جماعت بالخصوص ایسی تھی جس نے اول روز سے آج تک مخالفت کا رویہ اپنائے رکھا لیکن چونکہ ان کے پاس کوئی ایسی طلباء تنظیم نہیں تھی جو ایم کیو ایم سے تصادم مول لے سکتی لہٰذا اس نے اس مخالفت کو زبانی کلامی حد تک ہی رکھا ۔ اس کے برعکس دوسری دینی سیاسی جماعت کی جیب میں طلباء کی ایک ایسی تنظیم موجود تھی جو اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتی تھی لہٰذا تصادم ناگزیر ہوگیا ۔ تصادم کے نتیجے میں ایک دوسرے پر تشدد کا حربہ آزمایا گیا لیکن چونکہ ایم کیو ایم کے پاس عوامی اور سیاسی قوت دونوں موجود تھیں لہٰذا اس تصادم میں زیادہ زک مخالف طلبہ تنظیم کو اٹھانی پڑی ۔

پھر یہ ہوا کہ ایم کیو ایم' پی پی اتحاد ٹوٹا تو یہی حربہ اب یہ دونوں ایک دوسرے کے کارکنوں پر آزماتے رہے جس کے بعد ایم کیو ایم کو تشدد کی ایسی لت پڑ گئی کہ اپنی ہی تنظیم کے ان کارکنوں کو بھی جو ان کی مخالفت میں کھڑے ہوگئے تھے' تشدد کا نشانہ بنایا گیا ۔

اب اگر یہ ہوتا کہ حکومت وقت اس تشدد کی سیاست کو روکتی تو شاید معاملہ اتنا آگے نہ بڑھتا لیکن پی پی اور آئی جے آئی چونکہ دونوں کے اقتدار میں ایم کیو ایم شریک رہی لہٰذا انہوں نے بھی ایم کیو ایم کی ان حرکتوں سے صرف نظر کیا چنانچہ اس جادو نے سرچڑھ کر بولنا شروع کیا اور اس کی زد میں قومی پریس بھی آگیا اور بلیک میلنگ بھی شروع ہوگئی ۔ ایم کیو ایم والے شاید یہ سمجھتے ہوں کہ اقتدار میں ایم کیو ایم کو شامل رکھنا چونکہ سب کی مجبوری بن گئی ہے لہٰذا کون ہے جو ان پر ہاتھ ڈالے لیکن وہ یہ بھول گئے کہ ایک ہستی ایسی بھی ہے جو نہ کسی مصلحت کا شکار ہوسکتی ہے اور نہ اسے کوئی بلیک میل کرسکتا ہے ۔ وہ ہستی جب

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

مہاجر قومی محاذ کے حامی ایک اخبار کا تجزیہ

بلی تھیلے سے باہر آ گئی

ایم کیو ایم کے خلاف آپریشن سے جیسا نقصان پی پی کا ہوا' ویسا ہی آئی جے آئی کا ہوگا

وزیر اعظم نواز شریف نے اپنے حالیہ دورہ کراچی میں ایک بار پھر اس بات پر زور دیا ہے کہ سندھ میں جو آپریشن کیا جا رہا ہے وہ کسی بھی جماعت کے خلاف نہیں ہے اور ہر جماعت کو سیاسی کام کی آزادی ہے۔ دوسرے وفاقی رہنما بھی قوم کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے رہے ہیں کہ ایم کیو ایم کو کرش کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی جا رہی ہے نہ ہی اس سے کوئی انتقام لیا جا رہا ہے لیکن ایک دن بلی کو تھیلے سے باہر آنا تھا اور وہ باہر آ گئی ہے۔ اس سلسلے میں وزیر اعظم کے دست راست اور آئی جے آئی کے ایک رہنما جناب صدیق کانجو کا جو وفاقی وزیر مملکت برائے امور خارجہ بھی ہیں کویت کے دورے میں دیا ہوا انٹرویو بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ وزیر موصوف کے الفاظ یہ ہیں۔

"یہ سہرا اسلامی جمہوری اتحاد کے سر ہے کہ اس نے ایم کیو ایم کے خلاف سخت کارروائی کا فیصلہ کر کے قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں اس کی حمایت سے محرومی کا خطرہ مول لیا"

اس انٹرویو کے دوران وزیر مملکت جناب صدیق کانجو سے سوال کیا گیا کہ اگر ایم کیو ایم دہشت گرد سرگرمیوں میں ملوث تھی تو اسلامی جمہوری اتحاد نے اس کے ساتھ معاہدہ کر کے اسے حکومت میں کیوں شامل کیا' وزیر موصوف نے جواب دیا۔

"ہم مناسب وقت کا انتظار کر رہے تھے اور اب مناسب وقت آ گیا ہے"

جناب صدیق کانجو کے اس انٹرویو سے یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ اسلامی جمہوری اتحاد اور اس کی حکومت نے ایم کیو ایم کو کرش کرنے کے لئے پہلے سے سوچے سمجھے منصوبے پر فوجی آپریشن کی آڑ میں عملدرآمد شروع کیا ہے جس کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو بھی ظلم و زیادتی ہو اس کی ذمہ داری صرف آئی جے آئی یا حکومت پر عائد نہ ہو بلکہ فوج بھی لپیٹ میں آئے اور اگر سندھ کے عوام مشتعل ہوں تو فوج کی موجودگی کے باعث حکومت اور اس کے سرکردہ افراد کی جان و مال خطرہ میں نہ پڑے۔ بہرحال اب جناب صدیق کانجو نے جو راز فاش کیا ہے اس کے پیش نظر کسی بھی شخصیت کے اس دعوے پر کوئی یقین نہیں کرے گا کہ سندھ میں جو آپریشن ہو رہا ہے وہ ایم کیو ایم کے خلاف نہیں ہے۔

برصغیر میں بیشتر سیاسی جماعتوں نے فرنگی سیاست اختیار کر رکھی ہے اور انگریزوں نے اس خطے میں جس سیاست کو رواج دیا وہ مکر و فریب' منافقت' دغا بازی اور غداری کی سیاست تھی جسے آزادی کے بعد اقتدار کے بھوکے عناصر نے اپنے مفادات کے لئے خوب پروان چڑھایا۔ ہو سکتا ہے کہ دولت مندوں کی اس سیاست کو کسی زبان میں "جمہوری سیاست" قرار دیدیا جائے لیکن دنیا کی کسی زبان میں اسے "شریفانہ سیاست" قرار نہیں دیا جا سکتا اور خاص طور پر ایک اسلامی نظریاتی مملکت کے لئے یہ سیاست زہر قاتل ہے جس میں سیاسی معاہدوں' دوستی' اخلاق اور وفا کی دھجیاں اڑانا فیشن بنا لیا گیا ہے۔

جناب صدیق کانجو کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی جمہوری اتحاد نے ایم کیو ایم کے خلاف سخت کارروائی کا فیصلہ کر رکھا تھا اور وہ مناسب وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ ان کے اس بیان کی گہرائیوں کو سمجھنے کے لئے ماضی پر نظر ڈالنی ہو گی اور ماضی یہ بتاتا ہے کہ جنرل ضیاء الحق شہید کی وفات کے بعد جب جماعتی بنیاد پر انتخابات ہوئے تو پیپلز پارٹی سب سے بڑی جماعت بن کر ابھری لیکن اسے اتنی اکثریت حاصل نہ تھی کہ وہ حکومت بنا سکے۔ اس نے چند منتخب نمائندوں کو ساتھ ملایا۔ پھر بھی وہ مطلوبہ اکثریت حاصل نہ کر سکی اور اسے مزید ایک درجن ارکان کی حمایت درکار تھی اس وقت اسلامی جمہوری اتحاد یہ دعوی کر رہا تھا کہ اگر اسے حکومت بنانے کی دعوت دیدی جائے تو وہ ایک مضبوط حکومت بنا سکتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب صدر مملکت اپنی مرضی کے مطابق ایک چھوٹی جماعت کے قائد کو بھی یہ سمجھتے ہوئے حکومت بنانے کی دعوت دینے کا آئینی اختیار رکھتے تھے کہ وہ قومی اسمبلی کی اکثریت کا اعتماد حاصل کر سکتا ہے۔ ان حالات میں صدر غلام اسحاق کے لئے یہ بہت آسان تھا کہ وہ جناب نواز شریف کو حکومت بنانے کی دعوت دے دیں۔ آئی جے آئی کے بعض رہنما در پردہ یہ کوشش بھی کر رہے تھے کہ اگر جناب نواز شریف کو حکومت بنانے کی دعوت نہ دی جائے تو محترمہ بے نظیر بھٹو کو بھی وزیر اعظم نہ بنایا جائے' چاہے مارشل لاء لگانا پڑے۔ اس سلسلے میں اخبارات کے ریکارڈ کے مطابق انہوں نے مختلف جنرلوں خصوصاً" اس وقت کے چیف آف آرمی اسٹاف جنرل مرزا اسلم بیگ سے عاجزانہ درخواستیں بھی کی تھیں۔

جمہوری اصول یہ ہے کہ اگر انتخابات میں

کسی بھی جماعت کو واضح اکثریت حاصل نہ ہو تو حکومت بنانے کی دعوت سب سے پہلے اسی جماعت کو دی جائے جو دوسری جماعتوں سے بڑی ہو لیکن صدر غلام اسحاق پس و پیش سے کام لے رہے تھے۔ اس وقت پیپلزپارٹی اور ایم کیو ایم کے درمیان سیاسی معاہدے کے لئے کراچی میں مذاکرات ہو رہے تھے اور بعض نکات پر سمجھوتے میں مشکل پیش آ رہی تھی جس سے آئی جے آئی نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور ایم کیو ایم کے ساتھ رابطہ قائم کیا' جس نے یہ جواب دیا کہ جب تک پیپلزپارٹی سے مذاکرات کا کوئی نتیجہ سامنے نہ آئے آئی جے آئی کے ساتھ بھی مذاکرات شروع کرنا غیر اخلاقی بات ہو گی۔ پھر ایم کیو ایم کے قائد جناب الطاف حسین نے معاہدے کا انتظار کئے بغیر یہ کہتے ہوئے غیر مشروط طور پر محترمہ بے نظیر بھٹو کی حمایت کا اعلان کر دیا کہ حکومت بنانا اکثریتی جماعت کا حق ہے۔ اعلان کی وجہ سے محترمہ بے نظیر بھٹو کو اکثریت حاصل ہو گئی اور اگلے روز صدر غلام اسحاق خان نے انہیں حکومت بنانے کی دعوت دیدی۔ بعد میں پیپلزپارٹی اور ایم کیو ایم کے درمیان معاہدے پر دستخط بھی ہو گئے۔ اس طرح جناب نواز شریف وزیر اعظم نہ بن سکے' انہوں نے قومی اسمبلی کی نشست چھوڑ دی اور چونکہ وہ پنجاب اسمبلی کے لئے بھی منتخب ہوئے تھے جس میں آئی جے آئی کو اکثریت حاصل تھی اس لئے انہوں نے وزیر اعلیٰ پنجاب بننے کا فیصلہ کیا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت وزیراعظم بننے کی تمنا پوری نہ ہونے پر ان کو دکھ پہنچا ہو اور وہ ایم کیو ایم سے ناراض ہو گئے ہوں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب پیپلزپارٹی کی حکومت سے ایم کیو ایم کے اختلافات بڑھنے لگے تو آئی جے آئی کے رہنما کی حیثیت سے میاں زاہد سرفراز ایم این اے نے ایم کیو ایم کی قیادت کے ساتھ رابطہ قائم کیا اور تحریک عدم اعتماد سے قبل آئی جے آئی کے ساتھ ایم کیو ایم کا معاہدہ کرانے میں کامیابی حاصل کر لی' جس کی وجہ سے ایم کیو ایم کو پیپلزپارٹی کی حکومت سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی اور پھر اس نے تحریک عدم اعتماد کے حق میں ووٹ بھی دئے لیکن یہ تحریک ناکام ہو گئی' اور اس کی ناکامی کے ساتھ ہی حکومت کی برطرفی کا سامان ہونے لگا۔ اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ اسلامی جمہوری اتحاد کے ساتھ ایم کیو ایم کے معاہدے میں جناب نواز شریف کا زیادہ بڑا کردار نہ تھا اور اصل کردار میاں زاہد سرفراز نے ادا کیا جو محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت برطرف ہونے اور آئی جے آئی کی نئی حکومت بننے کے بعد سے اب تک راندہ درگاہ ہیں تاہم انہوں نے ایم کیو ایم کے ساتھ اپنے روابط برقرار رکھے ہوئے ہیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اپنے سیاسی حریفوں کے ساتھ ایم کیو ایم کے رہنماؤں کی سلام دعا پر وزیر اعظم نواز شریف ناراض رہتے ہوں۔ بہرحال افسوسناک بات یہ ہے کہ اسلامی جمہوری اتحاد نے محترمہ بے نظیر بھٹو کی حکومت کو تحریک عدم اعتماد کے ذریعے ہٹانے کے لئے ایم کیو ایم کا تعاون حاصل کرنا ثواب کا کام سمجھا۔ اقتدار ملنے کے بعد وفاقی اور صوبائی حکومتوں میں ایم کیو ایم کو شریک کرنا بھی ضروری خیال کیا۔ تاریخی جلسوں میں "الطاف بھائی" اور ایم کیو ایم کو خراج تحسین بھی پیش کیا لیکن در پردہ ایم کیو ایم کے خلاف سخت کار روائی کے لئے مناسب موقع بھی تلاش کیا جاتا رہا' جیسا کہ جناب صدیق کانجو نے انکشاف کیا ہے کہ حکومت اور اسلامی جمہوری اتحاد کی اس سیاست کو کوئی اچھا نام نہیں دیا جا سکتا ہے۔ ایم کیو ایم کے بقول کوئی بدترین دشمن بھی ایسا سلوک نہیں کر سکتا نہ ہی ایسا دھوکہ دے سکتا ہے' جیسا آئی جے آئی دور حکومت نے ایم کیو ایم کو دیا۔ یہ تو بغل میں چھری منہ میں رام رام والی سیاست ہو سکتی ہے اور بلا شبہ دوست سے بغل گیر ہونے کے دوران پیٹھ میں چھرا گھونپا گیا ہے۔

جناب صدیق کانجو کے اس دعوے میں صداقت نہیں ہے کہ آئی جے آئی نے ایم کیو ایم کے خلاف سخت کار روائی کا فیصلہ کر کے اسمبلیوں میں اس کی حمایت سے محرومی کا خطرہ مول لیا ہے اس لئے کہ آئی جے آئی سے پہلے پیپلزپارٹی کی حکومت بھی ایسا ہی فیصلہ کر چکی تھی اور اس نے بھی خطرہ مول لیا تھا بار بار فسادات ہوئے تھے بار بار کرفیو نافذ ہوا تھا اور سینکڑوں افراد جاں بحق ہوئے تھے۔ لیکن ایم کیو ایم کے خلاف پی پی کی حکومت کے آپریشن کا یہ نتیجہ نکلا تھا کہ ایم کیو ایم باقی رہی اور حکومت ختم ہو گئی۔ اب آئی جے آئی کی حکومت نے ایم کیو ایم کو کرش کرنے کا آپریشن شروع کیا ہے۔ پی پی کے آپریشن اور موجودہ آپریشن میں بقول ایم کیو ایم صرف اتنا فرق ہے کہ پی پی کے آپریشن میں سیاسی طاقت اور سول انتظامیہ کی طاقت استعمال کی گئی تھی جس کی مدد کے لئے فوج بھی موجود تھی۔ موجودہ آپریشن میں فوج کو آگے لایا گیا ہے' جبکہ سول انتظامیہ اور سیاسی طاقت کو پیچھے رکھا گیا ہے۔ بعض سیاسی مبصرین اب یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ایم کیو ایم دو فیصد مراعات یافتہ طبقے کا اقتدار نہیں چاہتی اور عوام کے حقیقی نمائندوں کے اقتدار کے لئے اپنی تنظیم کا نام متحدہ قومی موومنٹ رکھ کر چاروں صوبوں میں سیاسی عمل تیز کرنے کے منصوبے کو روبہ عمل لا رہی تھی' جس سے سیاسی اجارہ داروں کو سنگین خطرہ محسوس ہوا اور آئی جے آئی نے بھی پیپلزپارٹی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایم کیو ایم کے خلاف آپریشن شروع کر دیا جس پر پیپلز پارٹی اور دوسری نام نہاد جمہوریت پسند جماعتوں نے صرف اس وجہ سے خاموشی اختیار کر رکھی ہے کہ ان کی باگ ڈور بھی مراعات یافتہ طبقے کے ہاتھ میں ہے' جو غریب اور متوسط طبقے کی حکمرانی قبول کرنے کو تیار نہیں۔ ان مبصرین کی رائے ہے کہ ایم کیو ایم کے خلاف آپریشن میں خاص طور پر پیپلزپارٹی کی خاموشی سے یہ شبہ یقین میں بدل رہا ہے کہ آئی جے آئی کی حکومت نے پہلے ہی اس کو اعتماد میں لے لیا تھا اور یہ یقین دلایا تھا کہ ایم کیو ایم ملک کے دونوں بڑے سیاسی گروپوں کے لئے ایک سیاسی خطرہ ہے چنانچہ اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے جو بھی کارروائی کی جائے اس پر بڑی سیاسی جماعتوں کو خاموش رہنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے میں پیپلزپارٹی کو یہ یقین بھی دلایا گیا ہو کہ اس آپریشن میں اس کے عہدیداروں و کارکنوں کو نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔ یہ شبہ اس لئے یقین میں تبدیل ہوا ہے کہ وزیر اعظم نواز شریف اور وفاقی وزیر داخلہ چودھری شجاعت حسین بار بار الذوالفقار سے پیپلزپارٹی اور اس کی قیادت کا رشتہ جوڑتے ہیں لیکن فوجی آپریشن کے دوران ابھی تک اس کی طرف کسی نے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا نہ ہی اس کے خلاف ایسی کوئی کارروائی ہوئی ہے جیسی ایم کیو ایم کے خلاف کی جا رہی ہے۔ ایک عام تاثر یہ بھی ہے کہ پیپلزپارٹی نے ایم کیو ایم کی سیاسی اور عوامی طاقت کا غلط اندازہ لگا کر اس کے خلاف ریاستی طاقت استعمال کر کے جیسا نقصان اٹھایا آئی جے آئی اور مسلم لیگ کی قیادت بھی وہی غلطی دہرا کر ویسے ہی نقصان سے خود کو نہیں بچا سکے گی۔ (بشکریہ روزنامہ امن کراچی) ○○

بقیہ: تجزیہ

پھر سندھ کے شہری اور دیہی علاقے آپریشن کے بعد زخموں کے اندمال کے لئے مرہم کے طالب ہیں ۔ ان حالات میں یہ کہنا کہ ۹۵ء تک ہم ہی راج کریں گے اور راج پاٹ کا انداز بھی من مانا ہوگا' ایک غیر دانشمندانہ بات ہے ۔

خود نواز شریف صاحب کا مفاد اس میں ہے کہ وہ (سٹیٹس کو) چاہنے والی قوتوں کا ساتھ نہ دیں اور تبدیلی کے لئے قدم بڑھائیں ۔ نئے مڈٹرم الیکشن کا اعلان وہ خود بھی کرسکتے ہیں اور پیپلزپارٹی سے ان کا ایسا سمجھوتہ ہوسکتا ہے جس میں ہر پارٹی کو منصفانہ انتخابات کے انعقاد کا یقین ہو ۔ اب بھی جب پیپلزپارٹی انتخابی میدان میں ہوگی تو مخالف پیپلزپارٹی عناصر اپنے آپ کو نئے سرے سے مجتمع اور متحد کرلیں گے ۔ مسلم لیگ الگ یا دوسری جماعتوں کے ساتھ مل کر پیپلزپارٹی کا مقابلہ کرسکتی ہے تاہم ابھی مقابلہ بازی کو ملتوی رکھنا چاہیے اور ملکی مفاد کے لئے ایسی حکومت تشکیل دینی چاہیے جس میں پیپلزپارٹی بھی شریک ہو ۔ اس حکومت میں نامزد کرنے کے لئے بے نظیر صاحبہ کے پاس لائق اور معتمد افراد کی کمی نہیں ہے ۔ حالات اب اس موڑ پر آگئے ہیں کہ ملک کی اہم سیاسی قوتیں اور فوج بیٹھ کر نیا فیصلہ کریں اور نئے انتظام کے لئے مفاہمت پیدا کریں۔ اس کے علاوہ سیاسی مسئلہ کا اور کوئی حل نہیں ہے ۔

فوج اور پیپلزپارٹی کی محاذ آرائی تو ختم ہوچکی ہے لیکن ہمارے صدر صاحب اور وزیراعظم صاحب محاذ آرائی جاری رکھنے پر مصر ہیں ۔ انہیں جلد ہی اپنی غلطی کا احساس کرلینا چاہیے' ایسا نہ ہو کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے اور کھیت کو چڑیاں چگ جائیں ۔ پھر پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آج فوج بھی اس حیثیت میں ہے کہ وہ تمام سیاسی عناصر کو مجتمع کرکے ان کے درمیان ایک مفاہمت کراسکتی ہے' کل حالات مزید خراب ہوجائیں گے تو یہ کام فوج کے بس میں بھی نہیں رہے گا ۔ ○

بقیہ: نقطۂ نظر

چاہے اپنا ڈنڈا گھما سکتی ہے۔ آج وہ ڈنڈا جسے لوگ بے آواز کہتے ہیں حرکت میں آچکا ہے ۔

اس سارے قصے میں ہمارے لئے عبرت کا سامان کیا ہے؟ جب میں اس پر غور کرتا ہوں تو قوم کی وہ بدعہدی یاد آتی ہے جو اس نے اللہ سے کی ۔ اس قوم نے اللہ سے گڑگڑا کر درخواست کی تھی کہ اسے ایک الگ خطہ زمین مل جائے تو وہ وہاں اسلام کا عدل اجتماعی قائم کریں گے ۔ ملک بن گیا' لوگ اپنا وعدہ بھول گئے۔ علماء و مشائخ مدرسوں اور خانقاہوں میں گم ہوگئے ۔ دین جو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اسے مذہب میں تبدیل کردیا گیا لہٰذا مذہب کے تصور کے تحت اسلام روزہ' نماز' حج' زکوٰۃ اور نکاح و طلاق کے مسائل تک محدود ہوگیا ۔ مذہب کی تبلیغ ہوتے ہوتے اب مسلکوں اور فرقوں کی تبلیغ میں تبدیل ہوگئی لہٰذا فرقہ واریت کے عفریت نے بھی سر اٹھایا ۔ تازہ ترین واقعہ پشاور میں ہونے والے فسادات کا ہے ۔ جب دین بحیثیت نظام آنکھوں سے اوجھل ہوگیا تو لوگ اسلام کے نظام عدل اجتماعی کو بھی بھول گئے ۔ اس خلاء کو سرمایہ داری' جاگیرداری' وڈیرہ شاہی اور نوکر شاہی کے استحصالی نظام نے پر کیا لہٰذا احساس محرومی کا پیدا ہونا ناگزیر ہوگیا ۔ ایم کیو ایم اور اس قبیل کی دوسری تنظیمیں اسی احساس محرومی کی پیداوار ہیں۔ موجودہ نظام کو ایک انقلابی عمل کے ذریعہ ہی بدلا جاسکتا ہے ۔ جس کے لئے ایک ایسی تنظیم ناگزیر ہے جو انقلابی مراحل کو طے کرنے کے لئے سر پر کفن باندھ کر نکلنے والے کارکنوں سے مسلح ہو لیکن دینی سیاسی جماعتوں کے رویئے سے ایم کیو ایم نے نوجوانوں کے ذہن میں جو دین اور دینی رہنماؤں کے خلاف زہر بھرا ہے' اسے کون نکالے گا؟۔ افسوس کہ ایم کیو ایم جیسی تنظیمیں ایک منظم اور جان پر کھیلنے والے کارکن پیدا کرسکتی ہیں لیکن یہ کام ہمارے دینی رہنما نہیں کرسکتے ۔ کیوں' کاش کہ ہمارے دینی رہنما اس کے اسباب تلاش کرسکیں ۔

آخری بات اگر آج اسلام کا نظام تعزیرات نافذ ہوتا تو نہ کسی حکومتی ادارے کے لئے ممکن ہوتا کہ جرم ثابت ہونے سے قبل کسی پر ٹارچر کر کے اسے واقعی مجرم بننے پر مجبور کرسکے اور نہ خود حکومت کے لئے ممکن ہوتا کہ وہ اپنے اقتدار کی سلامتی کے لئے اپنے حلیفوں کی متشددانہ کارروائی پر آنکھیں بند کرسکتی ۔ بہرحال اللہ کسی ظالم کو معاف نہیں کرتا ۔ قرآن میں بار بار اس بات کا اعادہ کیا گیا ہے۔ کچھ لوگوں کو دین و دنیا دونوں کی خواری ہاتھ آتی ہے' کچھ لوگ اس دنیا میں تو بچ جاتے ہیں لیکن وہ اس ارشاد ربانی کو نہ بھولیں کہ اے گروہ انس و جن! اگر تم میں زمین و آسمان کی حدود سے نکل جانے یعنی فرار ہونے کی استطاعت ہو تو نکل جاؤ لیکن بغیر اختیار کے تم ایسا نہیں کرسکتے (اور وہ اختیار تمہارے پاس موجود نہیں)

فاعتبروا یا اولی الابصار ○○

اسرار' اقتدار برداران پر "زندگی" کی تازہ عنایت

مجیب الرحمٰن شامی صاحب کے ہفت روزہ زندگی (۷ر اگست) میں موچی دروازہ لاہور کے کسی اخلاق الرحمٰن عاجز کا ایک مختصر مکتوب متعلقہ صفحہ سے الگ کرکے اولین عمومی صفحات میں ایک چوکھٹا لگا کر نمایاں کیا گیا ہے ۔ سرخی "اسرار' اقتدار برادران" ہے اور خط کا مضمون واحد:۔ "ندائے خلافت کے نام سے ایک ہفت روزہ ڈاکٹر اسرار احمد کی زیر نگرانی' اور ان کے بھائی اقتدار احمد کے زیر ادارت چھپتا ہے ۔ اس کا تازہ شمارہ دیکھا' ایم کیو ایم کے غم میں صفحے کالے ہیں ۔ میں ان حضرات کو اسلام کا ترجمان اور اسلامی اقدار کا پاسبان سمجھتا رہا' اب حیران ہوں کہ ان کے اندر تو ابھی تک "مہاجریت" بھری بیٹھی ہے ۔ ایم کیو ایم کو "مہاجر قوم" قرار دینے والے یہ دانشور جو اسلامی بھی کہلاتے ہیں' کبھی سندھ جا کر وہ زخم تو دیکھیں جو اس تنظیم کے دہشت گردوں نے لگائے ہیں ۔ اگر ان حضرات کو اسلام کی شرم نہیں' تو اس پاکستان ہی کی شرم کرلیں جس نے ان کو پناہ دی تھی ---اس پنجاب ہی کی شرم کرلیں جو ان کا بوجھ اب تک اٹھا رہا ہے--- کیا پاکستان اس لئے بنایا گیا تھا کہ مہاجر مہاجر کے نعرے لگانے والے لوگوں کی عزتوں اور زندگیوں سے کھیلیں۔ "اقتدار' اسرار" برداران کا اسلام کیوں لسانی تعصب کی بھینٹ چڑھ گیا ہے؟"۔

خط کی زبان میں جواب دینا تو ہمارے لئے ممکن نہیں' بس اتنی وضاحت مطلوب ہے کہ "اسرار' اقتدار برادران" نے ہجرت تو ضرور کی تھی' وہ آگ کے جنگل اور خون کے دریا پار کرتے انیس دن پیدل چل کر ہیڈ سلیمانکی پہنچے تھے لیکن ان کا تعلق "مہاجر قوم" سے نہیں ۔ وہ "فرزند زمین" ہیں یعنی مشرقی پنجاب میں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے تھے ۔ بڑے کے گھر میں دھاریوال (ضلع گورداسپور) سے آنے والے انصاری خاندان کی خاتون ہیں اور چھوٹے کی بیوی کا تعلق بھینی (ضلع لاہور) کی جاٹ برادری سے ہے ۔ شامی صاحب اور عاجز صاحب کو جان لینا چاہیے کہ اسرار' اقتدار برادران کا پنجاب پر حق کسی پنجابی چودھری کے حق سے کم نہیں ۔ رہا اسلام تو ہم اس کے محض خادم ہیں' اس کا ٹھیکہ تو موچی دروازے والوں کے پاس ہے--- (مدیر)

محترم جناب اقتدار احمد صاحب!
السلام علیکم و رحمہ اللہ
امید ہے مزاج اچھے ہونگے

کئی دنوں سے سوچ رہا تھا کہ کراچی کے حالات کا مختصر جائزہ لکھوں۔ مگر ذرائع ابلاغ جو تصویر دکھا رہے ہیں اسے دیکھتے ہوئے خیال ہوا کہ نقار خانے میں طوطی کی صدا کون سنے گا۔ پروپیگنڈے کا یکطرفہ سیلاب بہہ رہا ہے۔ آپریشن کلین اپ شہر کراچی میں جن جرائم پیشہ افراد کے کندھوں پر سوار ہو کر آیا ہے' آنکھیں دیکھ رہی ہیں' لب خاموش ہیں۔ ان دنوں میں جو کچھ ہوا ہے اور ہو رہا ہے ان سے تو حالات کی بہتری کی کوئی توقع نہیں ہے۔

اخبارات کو اپنا مستقبل عزیز ہے۔ وہ حالات کے رخ کے ساتھ اپنا بادبان بدلتے رہتے ہیں۔ وہ سرکاری اشتہار کے اسیر ہیں' "بیگن" کے ملازم نہیں ہیں۔ سیاسی جماعتیں خوش ہیں کہ ان کے لئے میدان ہموار کیا جا رہا ہے مگر شاید وہ بھول گئے کہ پہلے بھی ردعمل کے نتیجے میں وہ بے ثمر ہو گئے تھے اور اب بھی اتنا شدید ردعمل ہو گا کہ ہاتھوں کے طوطے اڑے سو اڑے' ہوش و حواس بھی اڑ جائینگے۔ ہمارے ملک میں اصلاح احوال کے لئے کوئی سنجیدہ کوشش نہ ہوئی ہے نہ آئندہ ہوتی نظر آرہی ہے۔ حالات جس رخ پر جا رہے ہیں' اس سے عصبیتوں کے دائرے اور مضبوط سے مضبوط تر ہونگے۔ کوئی ایک قوم ہوتی تو قومی سوچ کا کوئی وجود ہوتا۔ پاکستانی قوم بنانے کی ۴۸ سالہ کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔ ان قومیتوں کے دائرے میں بھی مفادات کے دائرے بے شمار ہیں۔ قوم کا اصل ہدف مفادات کا حصول ہے۔ ملک میں کوئی بھی نظام آئے' پارلیمانی ہو' صدارتی ہو یا مارشل لاء ہو' جن کے ذریعہ مفادات کا حصول ممکن ہو وہی عزیز ہے۔

مسائل کے حل کے لئے فوج کو بلانا انتظامیہ کی انتہائی ناکامی ہے۔ کون کون سے مسئلے فوج حل کریگی۔ ایک ہی ادارہ ایسا تھا جس پر ملک و ملت کو فخر تھا اور یہ غیر متنازعہ بھی تھا' مگر سیاست دان اسے بھی متنازعہ بنانے کی سعی و کاوش میں لگے ہوئے ہیں۔ جو کام پولیس کا تھا اب وہ فوج کے سپرد ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ پہلے پولیس کے محکمہ کی تطہیر کی جاتی' باکردار لوگوں کو چھان پھٹک کے بعد بھرتی کیا جاتا۔ آج وزیر اعظم میاں نواز شریف کو یہ کہنا نہ پڑتا کہ جس کے سر کی قیمت ۳ لاکھ حکومت نے مقرر کی تھی وہ بھی پولیس میں بھرتی ہے۔ بات یہ ہے کہ حکومت خود مسائل حل کرنے میں سنجیدہ نہیں ہے' اسے ایسے بے کردار لوگ درکار ہیں جو اسکی بقا میں ممد و معاون ہو سکیں۔

تمام مسائل کے علاج کو اگر ایک جملہ میں بیان کیا جائے تو وہ ہے "نظام عدل اجتماعی کا قیام"۔ اسکے بغیر مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ موجودہ نظام جس ڈگر پر چل رہا ہے اس سے نئے نئے مسائل تو جنم لے سکتے ہیں حل نہیں ہو سکتے اس لئے کہ اس نظام کی باگ ڈور جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے ان کی زندگی کا مقصد محض اقتدار پر جمے رہنا ہے۔ عوام کے مسائل سے ان کی دلچسپی محض اس حد تک ہے کہ انکے اقتدار کے کسی کونے میں کوئی دراڑ نہ پڑے۔ یہی وجہ ہے کہ اس ملک میں نت نئے سبز باغ دکھانے کے ڈرامے ہوتے رہتے ہیں۔

فوج کو مسائل کے حل کے لئے نہیں بلایا گیا ہے بلکہ اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے بلایا گیا ہے۔ ان کی ساری دلچسپی اس بات سے ہے کہ ایم کیو ایم کو بدنام کر کے راستے سے ہٹایا جائے اور اس خلاء کو مسلم لیگ سے پر کیا جائے۔ محمد خان جونیجو نے بھی اس کا اعلان کیا تھا کہ مسلم لیگ کی ممبر سازی کے لئے بہترین وقت ہے اور یہی بات وزیر اعظم نے بھی دہرائی ہے۔ وہ یہ کہ ایم کیو ایم سے تعلق رکھنے والوں کو مسلم لیگ میں شامل ہو جانا چاہیے۔ اس پر لوگوں نے دلچسپ تبصرے کئے ہیں کہ یہ کام بھی فوج کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وزیر اعظم کی مشکل آسان ہو جائے۔

مسلم لیگ کے مردہ گھوڑے پر جسقدر بھی چابک مارا جائے اٹھ نہیں سکتا۔ عوام کی حمایت اسے کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ پاکستان بننے کے بعد جس قدر دھوکے مسلم لیگ نے دئے ہیں' کسی نے نہیں دئے۔ اب اس میں خیر کی کوئی رمق باقی نہیں ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں تک اس بات کو واضح انداز میں پہنچایا جائے کہ تمہارے جملہ مسائل کا واحد حل اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے قیام میں ہے۔ اس نظام کو وہی لوگ نافذ کر سکتے ہیں جنہوں نے اسلام کے مطالبے کو اپنے اوپر پہلے نافذ کر رکھا ہو اور ان کا جینا مرنا اسی نظام کے قیام کے لئے ہو۔ ان کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو' وہ معاشرے کو نیچے سے اٹھا کر اوپر کی طرف لے جائیں۔ جن کی جہد و کوشش سے لوگ اللہ کی طرف لوٹیں' ان کے اندر دین کے نفاذ کا داعیہ پیدا ہو۔ ہر فرد اسلام کا داعی بنے۔ اسلام کے احیاء کی ایک عمومی تحریک برپا ہو' یہ نہ ہوا تو محض زبان کی پھاگ سے اسلامی نظام کے نفاذ کی کوشش نے پہلے بھی مایوسی پیدا کی ہے اور آئندہ بھی مایوسی کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ احقر

نجیب صدیقی۔ کراچی

صحت یابی کے لئے دعا کی درخواست

سعید حمید الدین کنوینر تحریک خلافت حلقہ بنوں کی ہمشیرہ محترمہ نور محل صاحبہ پرنسپل ہائر سیکنڈری گرلز سکول بنوں عارضہ قلب کی وجہ سے تقریباً ایک ماہ سے سخت علیل ہیں۔ تمام رفقاء تنظیم و معاونین تحریک سے درخواست ہے کہ ان کی جلد صحت یابی کے لئے بارگاہ ایزدی میں دست دعا بلند کریں۔

درخواست گزار: ناظم اعلیٰ' تحریک خلافت پاکستان۔ لاہور

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K.Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

پریس ریلیز

ترکی کا سیکولرازم اور پاکستان میں رائج منافقت

نہایت مختصر یہودی اقلیت نے وہاں کی معیشت کا دیوالہ نکال دیا ہے

لاہور۔ ۷ر اگست۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ ترکی مسلمان ملکوں میں واحد ملک ہے جس کا آئین غیر مبہم الفاظ میں اسے ایک سیکولر ریاست قرار دیتا ہے لیکن یہ کھلی لادینیت شاید اس منافقت سے بہتر ہے جو پاکستان میں رائج ہو کر رہ گئی ہے۔ وہ مسجد دارالسلام باغ جناح کے اجتماع جمعہ میں اپنے دورۂ ترکی کے تاثرات بیان کررہے تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے بتایا کہ سیکولرازم ترکی کے آئین کی وہ دفعہ ہے جو پارلیمینٹ کی سو فی صد اکثریت سے بھی تبدیل نہیں ہوسکتی اور جس کے تحفظ کی براہ راست ذمہ داری فوج پر ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہودیوں کی ایک ناقابل ذکر تعداد کو وہاں بھی ملکی معیشت پر نظر نہ آنے والی اجارہ داری حاصل ہے جسے بنیادی طور پر صارفین کی مارکیٹ بنا دیا گیا ہے۔ اشیائے صرف کی بے قید درآمد اور معیار زندگی کو مغرب کے معیار پر لانے کے شوق نے جسے حکومت کی حوصلہ افزائی بھی حاصل ہے، ترکی کو بد ترین افراط زر سے دوچار کر رکھا ہے اور ترکی لیرا اپنی قیمت بالکل کھو چکا ہے۔

ڈاکٹر اسراراحمد نے بتایا کہ یورپ کا حصہ بننے اور یورپی مشترکہ مارکیٹ میں شامل کئے جانے کی غرض سے ترک حکومت کسی بھی انتہا تک جانے کو تیار ہے لیکن ادھر سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اسلام کو مکمل طور پر دیس نکالا دو' تب ہم تم سے بات آگے بڑھائیں گے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ حکومت کی سطح پر تو یہ فرمائش پوری کی جارہی ہے بلکہ پوری کی جاچکی ہے لیکن مسلمان عوام بالخصوص نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے دلوں سے اسلام کو کھرچنا کسی کے لئے بھی ممکن نہیں! تاہم ان حلقوں میں دین اسلام کے فکر کے مقابلے میں مذہب اسلام کا تصور زیادہ پھیل رہا ہے جس میں تصوف کی آمیزش نے جمود بھی پیدا کردیا۔ اسلام کے لئے وہاں کسی توانا آواز کا اٹھنا آسان نہیں اور ظاہر ہے کہ دوسرے مسلمان ملکوں کی طرح وہاں بھی کہنے سننے کی وہ آزادیاں نہیں جو ہمیں پاکستان میں میسر ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے ترکان عثمانی کے شاندار ماضی پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ آج بھی استنبول میں سینکڑوں سال پہلے تعمیر شدہ ایسی عظیم مساجد درجنوں کی تعداد میں موجود ہیں جن کے ساتھ کتب خانوں، مدرسوں اور غرباء کو مفت کھانے مہیا کرنے کی سہولتیں بھی موجود تھیں۔ ان کی نظیر دنیا کے کسی اور خطے میں نہیں مل سکتی۔

امیر تنظیم اسلامی نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ بعض اطلاعات کے مطابق یہودی اور ان کی تنظیم فری میسن جس کا ترکی کے اعلیٰ طبقے پر پورا تسلط ہے، اب احیائے خلافت کا بھی سوچ رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہیں سے خلافت کو دوبارہ زندہ کیا جائے جہاں ۱۹۲۴ء میں اسے دفن کیا گیا تھا لیکن یہ سیکولر خلافت یعنی پاپائیت کی طرح ہو، تاکہ مسلمانان عالم کو بہلایا تو جاسکے لیکن فی الحقیقت اسلام ان کے کسی منصوبے میں خلل نہ ڈالے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے بوسنیا کے مسلمانوں کی حالت زار بھی بیان کی جن کی طرف سے ایک بااختیار و ذمہ دار نمائندے نے استنبول میں ان سے ملاقات کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہاں سپین کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے اور یورپ سے مسلمانوں کی اجتماعیت کا آخری نشان بھی مٹانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جارہا۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق رونے کا مقام یہ ہے کہ مسلمان حکومتیں ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی تصویر بنی بیٹھی ہیں۔ ان کی مدد کو پہنچنے والے مسلمان ملکوں کی تعداد اب تک پانچ سے نہیں بڑھی۔ جن میں سب سے زیادہ قابل ذکر امداد بوسنیا کے مسلمانوں کو ایران سے ملی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ بوسنیا کے وفد نے یہ انکشاف کر کے مجھے سخت شرمسار کیا کہ سعودی عرب سے اب تک محض پانچ ملین (پچاس لاکھ) ڈالر بطور امداد وصول ہوئے ہیں جبکہ بوسنیا سے قریب ترین واقع ہونے والے مسلم ملک ترکی نے محض دواؤں اور غذا کے چودہ ٹرک بھیجے تو وہ بھی بوسنیا کے مسلمانوں کو نہیں بلکہ ریڈ کراس کو روانہ کئے گئے جن کے ذریعے یہ حقیر مدد بھی دشمن عیسائیوں کے ہتھے چڑھ گئی۔ بعد ازاں توجہ دلانے پر ترکی نے مزید براہ راست امداد کا وعدہ کیا تھا جو ہنوز شرمندہ تعبیر ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ بوسنیا کے مسلمانوں کی محض سیاسی حمایت کافی نہیں کیونکہ ان پر ایک ایک دن قیامت بن کر گزر رہا ہے۔ انہیں سامان خوردونوش، ادویہ اور اسلحہ کی ضرورت ہے۔ اور پاکستان کے مسلمانوں کا اپنی حکومت سے مطالبہ ہے کہ ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر یہ ضروری مدد فوراً انہیں پہنچائی جائے۔ بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسی مسئلے پر تمام مسلمان ممالک کی کم از کم وزراء خارجہ کی سطح کی کانفرنس بلا تاخیر منعقد ہونی چاہیے اور اس ضمن میں پاکستان اگر کوئی کردار ادا کرسکتا ہو تو ضرور کرے تاکہ تمام مسلمان ممالک مل کر کوئی لائحہ عمل طے کریں اور مسلمانوں کے قتل عام کو روکنے کے لئے ہر ممکن دباؤ ڈالا جاسکے!○○